# حیاتُ بعد از موتُ

الحاج سید امتیاز حیدر اختر

RAJANI HUSAIN ALI AKBAR ALI

# حیات بعد از موت

مُصنّف

الحاج سید امتیاز حیدر اختر
پترا بگڈھی

ناشر

عبّاس بُک ایجنسی
رستم نگر، درگاہ حضرت عبّاس لکھنؤ ۳
فون، 260756

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: حیات بعد از موت
مصنف: سید امتیاز حیدر اختر
کتابت: غضنفر رضوی
سنہ طباعت: ستمبر ۱۹۹۷ء
تعداد: ایک ہزار
سرورق: عباس حسنین
ناشر: عباس بک ایجنسی
رستم نگر، درگاہ حضرت عباس لکھنؤ
قیمت: پینتیس ۳۵ روپے

ملنے کے پتے

عباس بک ایجنسی لکھنؤ — فون نمبر:- 260756
ادارۂ اصلاح لکھنؤ — فون نمبر 261956



RAJANI HUSAIN ALI AKBAR ALI

## انتساب

• اُس قادرِ مطلق کے نام:
جس سے میں نے طاقت مانگی۔ تاکہ کوئی کارنامہ انجام دے سکوں۔
—— اُس نے مجھے کمزوری عطا کی۔ تاکہ فرماں برداری کر سکوں۔

• اُس خالقِ یکتا کے نام:
جس سے میں نے چیزیں مانگیں۔ تاکہ زندگی کا لطف اُٹھا سکوں۔
—— اس نے مجھے زندگی عطا کی۔ تاکہ چیزیں حاصل کر سکوں۔

• اُس حکیمِ لاثانی کے نام:
—— جو تشنۂ پرواز کو اس وقت تک موت نہیں دیتا
جب تک وہ
اپنی صلاحیتوں کی بلند ترین منزلوں پر نہیں پہنچ جاتا۔

ایک ناچیز و گنہگار بندہ
سید امتیاز حیدر اختر
(پرتاپگڑھ)

# عرضِ ناشر

قرآنی صراحت کے مطابق حقیقی اور ابدی زندگی وہی ہے، جو موت کے بعد انسان کو میسّر ہوتی ہے۔ اس حقیقت کا تصوّر سب سے پہلے، تیسری صدی ہجری کے اوّلین پچاس برسوں کے درمیان احمد بن یحییٰ اصفہانی کے ذہن میں ابھرا، جو مختلف علوم کی وادیوں سے گزرنے کے بعد "ابن راوندی" کے نام سے مشہور ہوا۔

"ابن راوندی" ایک بلند پایہ عالم، عظیم فلسفی، ممتاز ریاضی داں اور علوم طب و حکمت کا ماہر تھا۔ لیکن یہ شخص اپنی موت سے تقریباً دس سال پہلے اسلامی اصولوں اور خدا کے وجود سے انحراف کر کے مشرک و ملحد ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی علمی استدلال کی بنیاد پر موت کے بارے میں جو عالمانہ نظریہ عباسی خلیفہ متوکل کے دربار میں پیش کیا تھا وہ حسبِ ذیل نکات پر مبنی ہے۔

(۱) دنیا کا کوئی انسان اس سربستہ راز کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا کہ موت کیونکر واقع ہوتی ہے، جب تک وہ موت کو خود اپنے اوپر نہ آزمائے ـــ دوسروں کی موت کے مشاہدے سے انسان اس کے بارے میں یہ نظریہ نہیں قائم کر سکتا کہ موت کی حقیقت کیا ہے؟ اور وہ کیسی ہوتی ہے؟

(۲) کوئی بھی شخص اپنے آپ کو مردہ نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے کہ انسان جب تک زندہ ہے اس کے لئے یہ امر محال ہے کہ وہ خود کو مردہ تصور کرے۔ کیونکہ اگر اسے یقین اور علم اس بات کی دلیل ہے کہ وہ زندہ، اگر زندہ نہ ہوتا تو اسے مرنے کا علم



کیونکر ہوتا۔

(۳) کسی مُردے کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ وہ مُردہ ہے۔ اگر مردہ شخص یہ جان لے کہ وہ مُردہ ہے تو اس صورت میں وہ مُردہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ مُردہ شخص میں اپنے آپ کو پہچاننے کا شعور نہیں ہوتا۔ شعور زندہ لوگوں کی صفات میں ہے۔ عام عقیدہ کے برخلاف مُردہ شخص یہ نہیں دیکھ سکتا کہ اس کے رشتے دار اس کے سرہانے کھڑے رو رہے ہیں۔ اگر وہ دیکھ لے، ان کی گریہ وزاری کو سُن لے یا محسوس کر لے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ زندہ ہے۔ اگر وہ مُردہ ہوتا تو وہ یہ نہ جان سکتا کہ وہ مردہ ہے اور نہ ہی اپنے اردگرد کھڑے لوگوں کو دیکھ یا انکی آوازیں سُن سکتا۔

ابن راوندی کے یہ نظریات اس کے اپنے زمانے یعنی تیسری صدی ہجری کے اوائل میں قابلِ توجہ تھے لیکن امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اپنے روحانی اقتدار کے زمانے میں موت کی حقیقت پر جو تبصرہ فرمایا ہے، وہ قیامت تک پیدا ہونے والے مفکروں، دانشوروں، فلسفیوں اور سائنس دانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"احمق لوگ موت کو خدا کی طرف سے انسان پر ایک ظلم عظیم تصوّر کرتے ہیں، حالانکہ موت میں بھی اس کی ایک مصلحت کار فرما ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر موت نہ ہوتی تو انسانی معاشرہ ختم ہو گیا ہوتا۔ آیندہ دور کے سائنسدانوں کے حق میں میری یہ وصیت ہے کہ موت کو جھٹلانے یا ختم کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ اگر موت ختم ہو گئی تو نسل انسانی تباہ و برباد ہو جائے گی۔"

مزید وضاحت کے ذیل میں آپ نے فرمایا:۔

"اگر موت کے تصوّر سے الگ ہٹ کر انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ ہمیشہ

زندہ رہے گا تو جو ظالم لوگ ہیں وہ دوسروں کا مال ہڑپ کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ اپنی لامحدود زندگی میں ہمیشہ دولت کے مالک بنے رہیں اور جب ایسا ہوگا تو مظلوم اور کمزور لوگ اپنے اموال کو بچانے کے لئے متحد ہو کر غاصب ظالموں سے مقابلہ کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ظالم لوگ اپنے ظلم اور طاقت کی بنیاد پر کمزوروں کو ختم کردیں گے حالانکہ یہ موت فطری نہیں ہوگی۔"

ایک دوسرے مقام پر آپ کا ارشاد ہے کہ :۔

"حقیقی اور ابدی زندگی وہی ہے جو موت کے بعد اللہ کی طرف سے انسان کو عطا ہوتی ہے، موت کا ظاہری وجود تو صرف اس لئے ہے کہ لوگ اللہ سے خوف کھائیں اور اس سے ڈرتے رہیں۔"

امام جعفر صادق علیہ السّلام کا یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کی حقیقی اور ابدی زندگی دراصل وہی ہے جو موت کے بعد شروع ہوتی ہے اور جس کے آخری لمحات قیامت کے ابتدائی لمحات سے منسلک ہوتے ہیں۔

یہی وہ اہم نقطہ ہے جو برادرم سید امتیاز اختر پرتاب گڑھی کی تحقیق و جستجو کا مرکز و محور ہے اور زیر نظر کتاب میں اسی نقطہ کی بنیاد پر موت کے بعد زندگی کی حقیقت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے کہ یہ استدلالی کتاب قارئین کرام کے لیے ایک گراں قدر تحفہ ثابت ہوگی۔

احقر العباد
سید علی عبّاس طباطبائی
عبّاس بک ایجنسی، درگاہ حضرت عبّاس رستم نگر، لکھنؤ



# توثیق

علّامہ سید ذیشان حیدر جوادی

بسمہٖ سبحانہٗ

اسلام کی بنیادی تعلیم جس کا مصیبت کے مواقع پر بھی یاد رکھنا ضروری ہے "اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" ہے اور یہ حقیقت انسان کے ذہن میں اس وقت راسخ ہو سکتی ہے جب اس کا ایمان "حیات بعد الموت" پر ہو۔

حیات بعد الموت کا عقیدہ اسلام و کفر کے درمیان حد فاصل ہے جہاں کفار مکّہ یہ نعرہ بلند کر رہے تھے کہ "ہمیں اس دنیا میں جینا ہے اور یہیں مر جانا ہے۔ زمانہ ہمیں ہلاک و برباد کردے گا اور اس کا کوئی مستقبل نہیں ہے" اور اس کے جواب میں عقیدہ معاد کے مسلسل دلائل پیش کر رہا تھا اور جمادات و نباتات سے لے کر کواکب و سیّارات تک سب کے وجود کو اس عقیدہ کے شواہد اور دلائل کے طور پر پیش کر رہا تھا۔

موضوع انتہائی اہم ہے اور اس پر تحریک عمل تنظیم حیات کے ساتھ جزا و سزا کا دار و مدار ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے ملک میں تقریر و تحریر دونوں میدانوں میں اس موضوع کو بڑی حد تک نظر انداز کیا گیا ہے۔

چند رسائل ضرور منظر عام پر آئے ہیں لیکن موضوع کا حق یقیناً ادا نہیں ہو سکا ہے۔ عربی اور فارسی زبان میں دیگر موضوعات کی طرح اس موضوع پر بھی کافی مواد پایا جاتا ہے۔

اور آخری دور میں آیۃ اللہ مکارم شیرازی دام ظلہٗ۔ آیۃ اللہ مظاہری دام ظلّہ وغیرہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر بحث کی ہے اور آیۃ اللہ دستغیب طاب ثراہ نے تو اپنی تحریر و تقریر میں اس موضوع کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے اور اس کے ذریعہ ایک مکمل اسلامی ذہن اور مزاج پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اردو زبان میں ایک عرصہ سے یہ موضوع تشنہ توضیح ہو کر رہ گیا تھا۔ خدا جزائے خیر دے جناب محترم امتیاز حیدر صاحب پرتابگڈھی کو کہ انہوں نے اس سنگلاخ وادی میں قدم رکھا اور نہایت آسانی کے ساتھ گذر گئے۔ اب اس کی بنیاد وہی خواب ہے جس کا انہوں نے حوالہ دیا ہے یا کوئی اور توفیق پروردگار ہے۔ یہ مالک ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن کام بہت عظیم اور مفید ہوا ہے اور چونکہ موصوف رسمی طور پر اس علمی لائن کے نہیں ہیں لہٰذا ان کا یہ کارنامہ صاحبانِ علم و فضل کے لئے دعوتِ فکر و عمل بھی ہے۔

تنگی وقت کی بنا پر حقیر کو کتاب کے تفصیلی مطالعہ کا موقع نہیں مِل سکا لیکن عناوین سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ موضوع کے بیشتر جہات کا احاطہ کر لیا گیا ہے اور مؤلف کے شرف کے لیے یہی بات کافی ہے۔ باقی کام دیگر حضرات اہلِ علم انجام دیں گے کہ قیامت میں سبھی کو حاضر ہونا ہے اور اپنے اپنے نامہ اعمال میں کبھی کو خدمت دین کا عمل ثبت کرانا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین ـــــ والسّلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

۹، ذی القعدہ ۱۴۱۷ھ




| نمبر شمار | فہرست مضامین | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱ | انتساب | ۳ |
| ۲ | عرض ناشر ۔ توثیق | ۴ و ۷ |
| ۳ | فہرست | ۹ |
| ۴ | پیش لفظ | ۱۱ |
| ۵ | ابتدائیہ | ۱۷ |
| ۶ | خالق کائنات | ۲۵ |
| ۷ | حیات بعد از موت اور قانون فطرت | ۴۳ |
| ۸ | حیات بعد از موت اور علم جدید | ۴۸ |
| ۹ | حیات بعد از موت اور عدلِ الٰہی | ۵۹ |
| ۱۰ | عدلِ الٰہی اور جبر | ۶۳ |
| ۱۱ | حیات بعد از موت پر مختلف نظریات | ۷۰ |
| ۱۲ | کچھ اعتراضات اور ازالے | ۷۶ |
| ۱۳ | موت | ۸۲ |

| نمبر شمار | فہرست مضامین | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱۴ | عالمِ برزخ | ۹۳ |
| ۱۵ | قیامت کا پس منظر | ۱۰۶ |
| ۱۶ | روزِ محشر اعمال کا وجود | ۱۵۴ |
| ۱۷ | اعمال کے میزان | ۱۶۴ |
| ۱۸ | یہ عذاب و ثواب دائمی کیوں؟ | ۱۶۸ |
| ۱۹ | جنت اور نار کا وجود | ۱۷۶ |
| ۲۰ | انسان نوجوان مبعوث ہوگا | ۱۸۲ |
| ۲۱ | بداعمالیوں کی تلافی | ۱۸۹ |
| ۲۲ | امام مہدی اور طولِ عمر | ۱۹۹ |
| ۲۳ | کتابیات | ۲۰۵ |



حقائق القرآن

مولف:۔ الحاج امتیاز حیدر پرتاپ گڑھی۔ اس کتاب میں موانے مختلف قرآنی علوم و امور کو جدید تحقیق کے ذریعہ سمجھنے اور سمجھانے کی ایک کامیاب سعی فرمائی ہے۔

ہدیہ صرف ۴۶ روپیہ ۲۳×۳۶ صفحہ ۲۱۶

۱۶




# پیش لفظ

ایک تشنۂ علم حیات و ممات۔ ایک جویائے رموزِ کائنات جب اپنے چاروں طرف بکھری ہوئی زندگیوں پر غور کرتا ہے تو محوِ حیرت ہو کر رہ جاتا ہے۔ زندگیاں۔ انواع و اقسام کی زندگیاں۔ انسانوں اور حیوانوں کی شکلوں میں متحرک زندگیاں۔ درختوں اور نباتات کی شکلوں میں ساکت زندگیاں۔ سنگ ریزوں اور پتھر کی شکلوں میں جامد زندگیاں۔ فضا میں پرواز کرتی ہوئی زندگیاں۔ پانی میں ڈوبتی ابھرتی ہوئی زندگیاں۔

یہ زندگیاں اور کائنات کی یہ نیرنگیاں جو دیکھنے میں غیر منظم اور بے ربط لگتی ہیں حقیقت میں ایک انتہائی منظم اور مربوط نظام کے تحت پابندِ عمل ہیں۔ ہر ظاہری بدنظمی میں ایک مضبوط نظام اور ہر ظاہری بے ترتیبی میں ایک مربوط استحکام ہے۔

کائنات کی کوئی شے مہمل اور بے کار نہیں ہے اور انسان اس سلسلۂ حرکت و عمل میں ایک اہم کڑی کا کام کر رہا ہے۔ اس جامع اور منظم گردش کائنات اور اس مربوط نظام کائنات میں ایک ذرہ ناچیز سے لے کر عظیم سیاروں تک مشین کے چھوٹے بڑے پرزوں کی طرح اس قدر مربوط ڈھنگ سے جڑے ہوئے ہیں کہ اگر ان میں کا ایک چھوٹا سا حقیر پرزہ یا اسکرو اپنی جگہ سے ہٹ جائے یا کم ہو جائے تو سارا نظام اسی مشین کی طرح درہم برہم ہو جائے۔

یہ کواکب۔ یہ سیارے۔ یہ چاند اور ستارے۔ جذب باہمی کی ڈور میں بندھے ہوئے اپنی کشش مرکزی کے چاروں طرف مقررہ رفتار، مقررہ حرکت کے ساتھ مقررہ فاصلہ قائم

رکھ کر ایک مقررہ اور معینہ مدت تک کے لئے رواں دواں ہیں. اور ہماری یہ دنیا بھی انھیں میں کی ایک ہے.

ایک جویائے اسرار کائنات. جب تاریک راتوں میں کہیں اکیلی گزر گاہوں یا پرسکون مرغزاروں سے گزرتے ہوئے نیلگوں آسمانوں پر چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتا ہے تو تخلیقات کے تانے بانے میں کھو کر وہ خود کو ان کروڑوں اور اربوں ماہ پاروں کے درمیان پاتا ہے. وہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ کائنات کے اس لامتناہی نیلے اور سیاہ سمندر میں اپنی دنیا کے رنگین سفینہ پر وہ بھی دوسرے بے شمار فلک پاروں کے ساتھ تیر رہا ہے. اور پھر یہ ظاہری دوریاں ختم ہو جاتی ہیں. اس کے بعد وہ خود کو ان ٹمٹماتے اور آنکھ مچولیاں کرتے ماہ پاروں کے درمیان حرکت کرتا محسوس کرتا ہے. سفر کرتا محسوس کرتا ہے. کسی انجان منزل کی طرف. یہ سفر کہاں ختم ہوگا. منزل کب آئے گی. سفر کی انتہا کیا ہوگی. مسافر نہیں جانتا.

دوسری تخلیقات کی طرح انسان بھی دنیا میں آتا ہے اور کچھ دن گزار کر چلا جاتا ہے. یہی ہے حیات کی تاریخ حیات. یہی ہے زندگی کی روداد زندگی. زندگی کے لئے تین ہی الفاظ بولے جا سکتے ہیں. "نہیں تھا" "ہے" اور "نہیں رہے گا". ہر تخلیق کے بس یہی تین رُخ ہیں. کل نہیں تھا. آج ہے. کل نہیں رہے گا. یہی ہے تاریخ انسان. یہی ہے تاریخ موجودات اور یہی ہے تاریخ کائنات. "نہیں تھا". "ہے" اور "نہیں رہے گا" اور باقی رہے گا تو بس وہی خالق کائنات ایک ایسی ہستی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے "قدیم" کا لفظ ہی استعمال کیا جا سکتا ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا.

منکروں. دہریوں اور خدا کے وجود کو نہ ماننے والوں کا کہنا ہے کہ کوئی خدا



نہیں ہے. یہ کائنات اپنے آپ عالم وجود میں آگئی. اس کا کوئی بنانے والا نہیں ہے. اپنے آپ پیدا ہو گئیں یہ زندگیاں. اپنے آپ پیدا ہو گیا یہ انسان. بھلا کوئی ان زندیقوں سے سوال کرے. ان دہریوں سے پوچھے کہ جس میں اپنے آپ پیدا ہو جانے کی طاقت تھی وہ آج ہی کیوں پیدا ہوا. سو سال پہلے کیوں نہیں پیدا ہو گیا. ہزار سال پہلے کیوں نہیں پیدا ہو گیا. اور پھر اگر اس میں خود بخود پیدا ہونے کی طاقت ہے تو اس میں ہمیشہ زندہ رہنے کی طاقت بھی ہونی چاہئے. کوئی مرنا پسند نہیں کرتا. تو پھر وہ مرتا کیوں ہے. اس کا غیر ارادی پیدا ہونا اور خلاف مرضی مر جانا اس کی مجبوری ظاہر کرتا ہے. اور زندگی کا ما حاصل انھیں تین لفظوں میں پیش کیا جا سکتا ہے. "نہیں تھا". "ہے" اور "نہیں رہے گا".

جو آیا ہے وہ جائے گا. ہر زندگی کو موت کا مزہ چکھنا ہے. اور ہر تخلیق کے لئے یہی تین لفظ استعمال ہوتے رہیں گے. "نہیں تھا". "ہے" اور "نہیں رہے گا". پھر اب دوسرا نظریہ ہی قابل قبول ہو سکتا ہے. اس کائنات کا کوئی بنانے والا ضرور ہے. ایک ایسی ہستی جس کے لئے فنا نہیں ہے اور جس کے لئے قدیم کا لفظ ہی استعمال ہو سکتا ہے. ایک ایسی ہستی جس کو کبھی فنا نہیں ہے. اس کی انتہائی دلیل اگر چاہتے ہوں تو لیجئے اس خدا کا ایک دوسرا خالق مانے لیتے ہیں. اور پھر اس دوسرے خدا کو پیدا کرنے والا ایک تیسرا خدا. اس طرح آپ فرض کرتے جائیں گے. پھر اس کے بعد خدا. پھر اس کے لئے بھی ایک خدا. پھر اس کے لئے بھی ایک خدا.!! اور پھر آخر میں. جب آپ فرض کرتے کرتے تھک جائیں گے تو وہی سب سے بعد والا خدا ہی قدیم ہوگا جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور جس کے لئے فنا نہیں ہے.

اس کائنات میں زندگی اور موت کا چکر چل رہا ہے۔ آدمی پیدا ہوتا ہے جوان ہوتا ہے اور پھر پیرانہ سالی کی طرف بڑھتے ہوئے اپنی زندگی کے دن پورے کرنے کے بعد چلا جاتا ہے اور دوسرے آنے والوں کے لئے جگہ خالی کر جاتا ہے۔ کیا اس عظیم شاہکار فطرت کا جس کے سامنے ملائکہ کو بھی سجدہ ریز ہو جانے کا حکم دیا گیا انجام یہی ہے۔ گنے دنوں کی زندگی۔ چند نپی تلی ہوئی سانس اور بس! کیا اس معجزاتی مخلوق کی زندگی کا یہی ماحاصل ہو سکتا ہے کہ وہ دنیا میں آئے۔ زندگی کے دن گزارے اس چند روزہ زندگی میں ثواب و عذاب کا مرتکب بھی ہو۔ رحم و کرم کا مجسمہ بھی ہو۔ ظلم و جبر کی کریہہ شکل بھی اختیار کرے اور پھر بلا کسی جزا یا سزا کے اس دنیا سے رخصت بھی ہو جائے تو کیا یہ عدل خداوندی سے بعید نہ ہوگا کیا یہ عجوبۂ روزگار۔ یہ مثبت اور منفی کردار اپنی دنیاوی زندگی میں کئے ہوئے نیک اعمال کا اجر نہ پائے گا! کیا ایک بدکردار اور ظالم انسان اپنے بداعمالیوں کی سزا نہ بھگتے گا! پھر اس کی اس چند روزہ اور خالی زندگی کے لئے خدا کو اس کی ربوبیت۔ اصلاح اور تربیت کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی۔ پھر اس کی رہبری کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبرؐ اور بارہ آئمہ طاہرین کے بھیجنے کی کیا حاجت تھی! پھر اس کے علم کے فروغ اور عقل کے بلیغ ہونے کی طرف اتنی توجہ دینے کی کیا ضرورت تھی! یہ سب اسبات کی پختہ گواہیاں ہیں کہ اس زندگی کے بعد بھی زندگی ہے۔ ایک ایسی زندگی ہے جو غیر فانی ہے۔ جو لازوال ہے اور وہی ہے "حیات بعد از موت" جہاں پر اس دنیا میں کئے گئے اعمال کا مکمل۔ واضح اور مناسب بدلہ دیا جائے گا۔

میں اپنے انھیں منتشر خیالوں کے درمیان بہت دنوں سے بھٹک رہا تھا۔ کبھی صحراؤں کی خاک چھانتا رہا۔ کبھی نباتات اور اشجار کے برگ و بار سے سوال کرتا رہا۔ کبھی آب رواں سے کچھ دریافت کرنے کی کوششیں کرتا رہا۔ کبھی چاند تاروں کو ہمراز بنانے کی خواہش کرتا رہا۔ کبھی کہکشاؤں کے درمیان راہیں تلاش کرتا رہا۔ دل میں تلاش کی ایک چنگاری اور ذہن میں جستجو کی ایک تپش تھی جو اکثر بیدار ہو کر حیات بعد از موت پر کچھ لکھنے کے لئے اکساتی تھی۔ مگر اپنی کوتاہ علمی اور کم مائگی ہر بار سد راہ بن کر سامنے آجاتی تھی۔ راہیں واضح نہیں ہو پاتی تھیں۔ دلائل نامکمل اور ادھورے سے لگتے تھے۔ نظریات بے جان سے نظر آتے تھے۔ تخیلات راستے میں ہی ساتھ چھوڑ دیتے تھے اور کامیابی کی منزل تا حد نظر معدوم تھی۔ ایک رات اپنی کم مائگی پر حسرت کے آنسو بہاتا۔ اپنی منفی صلاحیتوں کی وجہ سے اپنی خواہش ناتمام پر آہِ نارسا کا سہارا لے کر اپنی بے علمی اور کوتاہ فکری کا کفن اوڑھ کر ڈوبتے ہوئے دل کی دھڑکنیں گن رہا تھا... عالم رویا میں میری جھکی ہوئی نظروں نے دیکھا کہ صاحبِ ذوالفقار۔ ذوالفقار لئے ہوئے کرسی نشین ہیں۔ ذوالفقار۔ ریڑھ کی ہڈی جیسی گڑیا دار اور خمیدہ۔ سیاہ رنگ کی نیام سیاہ رنگ کی نیام تقریباً چھ چھ انچ جوڑ پر سنہرے پھول۔ مزین ذوالفقار کی مزین نیام۔!! ذوالفقار دیکھنے کے بعد ذہن میں خیال آیا ذوالفقار ہو سکتی ہے تو کس کے پاس۔ ذوالفقار دیکھنے کے بعد خیال آیا صاحبِ ذوالفقار کا۔!! اور پھر میری جھکی ہوئی نظریں جو اوپر کو اٹھیں دیکھا کہ امیر المومنین حضرت علیؑ کرسی پر انتہائی شان اور تمکنت کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ سیاہ عبا۔ سیاہ عمامہ کتابی چہرہ گھنی دراز ریش جس میں کہیں کہیں کچھ بال سفید۔ ستواں اور لمبی ناک بڑی پُرنور اور پُرکشش آنکھیں۔ مولا انتہائی توجہ اور غور سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ آپ کی پُرکشش اور مسکراتی ہوئی نگاہوں میں شفقت بھی تھی۔ التفات بھی تھا اور ساتھ ہی ساتھ۔ ایک ارشاد۔ ایک ہدایت۔ ایک حکم کے ساتھ ایک پرسکون حوصلہ افزائی تھی۔ ایک لمحہ کے بعد مولا کی نگاہوں کا وہ سلسلہ ترسیل

ختم ہو چکا تھا اور میں عالمِ خواب سے عالمِ بیداری میں آچکا تھا۔ پھر لاکھ آنکھیں بند کیں۔ لاکھ ان خوش نصیب خوابوں کو دوبارہ سجانے کی کوششیں کیں مگر یہ ممکن نہ ہو سکا۔!! میں نے اپنی اس تساہلی پر جو محض ذوالفقار کے مشاہدہ میں ہی گزار چکا تھا خود کو لاکھ صلواتیں سنائیں۔

نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر جلوۂ دوست　　　　قیامت میں تماشہ بن گیا میں

شاید یہ باب مدینۃ العلم اور مولائے متقیان کی رہبری ہی ہے جس کے تحت میں اس کتاب کو اتنے کم عرصہ میں مکمل کر سکا۔

مجھے خود نہیں معلوم کہ اتنے سارے حقائق مجھ پر کیسے منکشف ہو گئے۔ اتنے سارے حوالے کیسے حاصل ہوئے جدید علم کے انکشافات اور تحقیق کہن سے فراہم کیں۔ جو کل اس قدر آسانی سے مل رہے تھے آج جب دوبارہ تلاش کرتا ہوں تو ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتے۔!!

میں "حیات بعد از موت" کو پیش کرنے میں کس حد تک کامیاب رہا ہوں۔ یہ فیصلہ میں اپنے ذی علم قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

خادم
سیّد امتیاز اختر
پرتاپگڈھی



# اِبتدائیہ

موت۔ ایک وحشتناک تصور۔ ایک دل سوز خیال۔ ایک المناک لمحہ۔ مگر ایک تلخ حقیقت ہے۔!! اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی یہ دنیاوی زندگی خداوند کریم کا ایک بیش بہا عطیہ ہے۔ اور اس کے خاتمہ کا تصور اس کے لئے باعث رنج و غم ہے۔ انسان خواہ اسے خوشی سے قبول کرے یا بہ جبر و کراہ وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ اسے اس دنیا میں آنے کے بعد ایک مدت معینہ تک زندگی کے دن گزارنا ہیں اور پھر اسے ایک دن اس جہانِ فانی کو چھوڑ کر موت سے ہم آغوش ہو جانا ہے۔ اس کے بعد اس کی دنیاوی زندگی کی کتاب بھی ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی عالمی حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

اس عالمِ فانی میں پیدائش اور موت کا چکّر چل رہا ہے۔ یہ ایک ایسا گرداب ہے جس سے باہر نکل پانا نہ تو ممکن ہے اور نہ کوئی راہِ نجات۔ اس دنیاوی زندگی میں نہ تو بقا ہے اور نہ دوام۔ اس کے باوجود یہاں کی ہر چیز ایک مربوط نظام کے تحت چل رہی ہے اور یہ کاروانِ حیات بھی ایسے ہی مخصوص اور واضح راستوں پر چل کر اپنی منزلِ آخرۃ پر ختم ہو جاتا ہے۔!!

مگر سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا دنیاوی زندگی کا یہ مختصر سا لمحہ جس میں لوگ آتے ہیں اور کچھ دن گزارنے کے بعد دوسرے آنے والوں کے لئے جگہ خالی کر جاتے ہیں۔ بس یہی زندگی کی حقیقت ہے۔ کیا اس دنیاوی زندگی کے بعد۔ اس قلیل مدّت قیام کے بعد کچھ نہیں ہے۔ اتنے عظیم نظامِ قدرت کے تحت پیدا ہونے والے انسان کا اس قدر حقیر سا انجام۔ اس کا فنا

نہ ثبوت تو جا سکتا ہے۔ حیات کے بعد ایسا کوئی قاعدہ جس پر وجود کا سایہ تک نہیں
پڑ سکتا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی بھی ہے۔ جو دائمی ہے۔
ہے اور جسے فنا نہیں ہے۔ اس عالم فانی کے بعد ایک عالم جاودانی ہے جہاں یہ اجسام
زندگی گزارنے کے بعد حیاتِ ابدی حاصل کر لیں گے۔ اور اس زندگی کے بعد ایک ایسی
زندگی ہے جو لامحدود ہے۔ اور وہی ہے مقصدِ حیات۔ وہی ہے دارِ قرار۔ اور وہی ہے
دارالبقا جہاں انسان اس دارِ فنا کی مدت گزارنے کے بعد پہنچ جائے گا۔
اگر ہم اس چند روزہ دنیاوی زندگی پر ہی اعتبار کر لیں تو پھر ہم خود کو آلام و مصائب۔
مشکلات اور رنج و غم میں گھرا ہوا پائیں گے اور اس طرح اس دنیا کے سارے عیش و نشاط اور
ہنگامہ آرائیاں آنے والے کل کی تاریکیوں میں مدغم ہو جائیں گے یا پھر ہماری دنیاوی زندگی
وحشت، ظلم، الحاد اور استبداد سے پُر ہو کر اور تمام مکروہات سے مغلوب ہو کر خود ایک وبال
جان بن جائے گی۔ جس کے نتیجے میں ایسے ناپسندیدہ حالات پیدا ہو جائیں گے جن سے کوئی
صاحب ہوش و عقل انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف عقل و دانش رکھنے والے مفکرین اور قوانین
فطرت سے آگاہ افراد اس فانی دنیا سے ہٹ کر اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ موت محض اس
فانی دنیا کو چھوڑ کر رفتہ رفتہ ایک جگہ منتقل ہونا ہے۔ اور مرنے کے بعد ایک اور دنیا کی طرف
سفر کرنا ہے جو ہر قسم کی مادی پابندیوں سے آزاد ہے۔ انھیں اس بات کا علم ہے کہ انسان اس
عنصری اور جسدِ خاکی کو چھوڑ دینے کے بعد ایک "مثالی پیکر" اختیار کر کے جہانِ لافانی کی
طرف پرواز کر جائے گا جہاں دوام ہے۔ جہاں بقا ہے اور جہاں ہمیشگی کی زندگی ہے۔
اس عالم فانی سے گزر جانے کے بعد ایک دوسری دنیا بھی ہے۔ مرنے کے بعد دوسری دنیا



کے بہت سے متعدد اور مسائل و واقعات سامنے آئے ہیں جن سے ایک مادہ پرست اور اس عالم کی
دنیا کو حتمی سمجھنے والا انسان "حیات بعد از موت" سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس حقیقت کی
وضاحت کے لئے چند مستند ذریعے والوں اور واقعات کا ذکر کر دینا انتہائی اہم اور
ضروری ہوگا۔ یہ ان لوگوں سے متعلق واقعات ہیں جو بیمار ہوئے اور طبی نقطہ نظر سے مردہ
ہو چکے تھے۔ اور پھر دوبارہ زندہ ہو گئے۔ وہ مرنے کے بعد کس دنیا میں چلے گئے تھے۔
انہیں کیا کیا تجربات ہوئے اور انہوں نے کیا دیکھا اس سلسلے میں دو عالمی شہرت
رکھنے والے ڈاکٹروں۔ ڈاکٹر موڈی اور ڈاکٹر ایلزبتھ کیوبلر کی تحقیق کے نتائج پیش کئے جاتے
ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ناآشنا تھے اور الگ الگ جگہوں پر اس اہم موضوع پر
تجربے کر رہے تھے۔ مگر جب یہ دونوں ملے تو ان کو یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ دونوں ایک ہی
نتیجے پر پہنچے ہیں۔ ان دونوں نے ایسے چار سو واقعات کا مطالعہ کیا ہے جس میں انہوں
نے اپنے ذاتی نظریات اور عقاید کو شامل نہیں کیا دوبارہ واپس آنے والوں میں مختلف
عقاید اور مذاہب کے لوگ تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے جن کا "حیات بعد از موت" پر یقین تھا
اور کچھ ایسے بھی تھے جن کا عقیدہ نہ تو خدا پر تھا اور نہ "حیات بعد از موت" پر۔ وہ تو بس
اس زندگی کو آخری اور حتمی سمجھتے تھے۔ اسی طرح ان میں کٹر مذہبی بھی تھے اور وہ لوگ
بھی تھے جو زندگی بھر مذہب سے لاتعلق رہے۔ ان میں کچھ تو حادثات کا شکار ہو کر مرے تھے
اور کچھ مختلف بیماریوں میں۔ ان میں مرد بھی تھے عورتیں بھی تھیں۔ جوان بھی تھے بوڑھے
اور بچے بھی تھے اور ان سب کے بیانات اپنے اپنے استطاعت اور علم کے مطابق تھے۔
"حیات بعد از موت" کے واقعات بیان کرتے وقت مرنے والوں کے ساتھ سب سے بڑی
دقتِ بیان۔ زبان اور الفاظ کی تھی کیونکہ اس جگہ کے واقعات بیان کرتے وقت اس جگہ

کی منظر کشی۔ واقعات اور حالات بیان کرنے سے وہ قاصر نظر آتے تھے۔ وہ مناظر اور وہ مقامات کچھ ایسے تھے جن کی مثال ہماری دنیا کی کسی چیز سے دی ہی نہیں جاسکتی۔ وہ کچھ ایسے نئے اور عجیب و غریب تھے جو نہ ہماری دنیا جیسے تھے اور نہ ہماری لغات میں ان کے لائق یا مناسب الفاظ ہی ہیں۔ دوسرے وہ انھیں اپنا ذاتی معاملہ سمجھ کر کچھ بتلاتے ہوئے جھجک بھی رہے تھے کہ کہیں لوگ ان کا مذاق نہ اڑائیں۔ ان سب کے واقعات میں اگرچہ زبان و بیان میں کچھ اختلاف ضرور ہے مگر ان سب کا تجربہ ایک ہی جیسا ہے جس نے "حیات بعد از موت" کا نظریہ پختہ ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر موڈی نے تمام کیسوں کو جوڑ کر ایک موڈل کیس تیار کیا ہے جس میں ساری اہم باتیں پیش آنے والے واقعات شامل کئے گئے ہیں:۔

ایک آدمی مر رہا ہے۔ جب وہ موت کے شکنجوں میں کس جانے کے بعد اپنی تکلیفوں کے نقطۂ عروج پر پہنچ جاتا ہے تو اس کو سنائی دیتا ہے کہ ڈاکٹروں نے اسے مُردہ قرار دیا ہے۔ پھر وہ کچھ نامعلوم سی آوازیں سُنتا ہے۔ جیسے بہت سی گھنٹیاں ایک ساتھ بج رہی ہیں۔ وہ اپنے مردہ جسم کو دور سے دیکھتا ہے وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ ڈاکٹر اسے دوبارہ زندہ کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ اور پھر وہ ایک لمبی تیرہ و تاریک سرنگ سے گزرتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اسی سرنگ سے گزر جانے کے بعد وہ خود کو ایک ایسی دنیا میں پاتا ہے جہاں ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ اس وقت وہ خود کو ایک نورانی جسم میں پاتا ہے۔ جس میں ایک نئی طاقت ہوتی ہے۔ نئی قدرت ہوتی ہے اور بڑی وسعت ہوتی ہے۔ اور پھر وہ کچھ ایسے لوگوں کو دیکھتا ہے جو دنیا میں اس سے بہت قریب تھے اور اس سے پہلے مر چکے تھے۔ یہ روحانی اجسام اسکی رہبری کرتے ہیں۔ اور پھر ایک "نورِ مجسم" اس کے سامنے آتا



ہے۔ ایک ایسی ہستی جس کو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر یہ نورانی پیکر اس سے بڑی شفقت کے ساتھ پیش آتا ہے۔ وہ نورانی ہستی اس سے کسی ایسی زبان میں باتیں کرتی ہے جو اس کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ باتوں کا یہ سلسلہ نہ تو کسی زبان میں ہوتا ہے اور نہ بولنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ بس ایک سلسلۂ ترسیل ہے جو دو وجود کے درمیان جاری ہو جاتا ہے جس میں جھوٹ بولنے یا بہانہ تراشنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہ ہستی اسے اسکی ساری زندگی ولادت سے لے کر موت تک کی فلم دکھلاتی ہے۔ یہ ایک ایسی متحرک فلم جیسی چیز ہوتی ہے جس میں اس کی زندگی کے تمام نیک و بد اعمال لمحہ بھر میں اسکی نگاہوں کے سامنے سے گزر جاتے ہیں۔ اور اس طرح وہ ہستی مرنے والے کو اپنی زندگی کے ماحصل کا اندازہ لگا لینے کا موقعہ دیتی ہے جب تک وہ فلم دکھائی جاتی رہی اُسے ایسا محسوس ہوتا رہا جیسے اس میں دو چیزوں کو انتہائی اہمیت دی جا رہی ہے۔ (۱) دوسروں سے محبت کرنا (۲) علم کا حاصل کرنا۔

نورِ مجسم مرنے والے سے کچھ سوالات بھی کرتا ہے جو کچھ اس طرح کے ہوتے ہیں۔ (۱) کیا تم مرنے کے لئے تیار ہو! (۲) کیا تم مرنے پر راضی ہو! (۳) مجھے دکھلانے کے لئے تم نے اپنی زندگی میں کیا کیا! (۴) تم نے اپنی زندگی میں کون سا ایسا کام کیا جسے تم کافی سمجھتے ہو! (۵) تم اپنی زندگی کے کون سے کام مجھے دکھلانا چاہتے ہو! (۶) کیا یہ زندگی کسی لائق تھی! نورانی ہستی یہ سوالات کسی طرح کا الزام لگانے یا ڈرانے دھمکانے کے انداز میں نہیں کرتی اُس کے پاس چاہے اسکا جواب منفی میں ہی کیوں نہ ہو مگر اس کے باوجود اس نورِ مجسم کی شفقت اور اپنائیت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ نورِ مجسم کی موجودگی ہر مرنے والے کو کسی طرح بھی گراں نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس کی موجودگی اس کے لئے باعثِ اطمینان ہوتی ہے۔ ایک

[illegible] تھا۔

نورِ جسم کا مرنے والے کو [illegible] زندگی کی [illegible] مقصد یہ نہیں ہوتا کہ تیرے
کسی طرح کی معلومات کی ضرورت ہے بلکہ اس کا مقصد ہوتا ہے کہ مرنے والا خود اپنی زندگی
کی قیمت لگائے۔ ہماری یادداشت میں کچھ رکاوٹیں ہیں اور اس میں تسلسل قائم نہیں رہتا۔
کچھ باتیں حوادثِ روزگار میں کھو جاتی ہیں۔ کچھ ہم بھلا دی جاتی ہیں۔ کچھ لاشعوری تہوں
میں محفوظ ہو گئیں۔ کچھ ابھر کر سامنے آگئیں۔ [illegible] کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ مگر وہاں قلم نے
ساری زندگی کی تفصیل ایک ہی [illegible] پیش کر دی۔ ایک ہی لمحہ میں ساری زندگی کی فلم
بند آنکھوں کے سامنے سے گزر گئی اور [illegible] تیز رفتاری کے ساتھ۔ زندگی کی رنگین اور
متحرک تصویر۔ [illegible] اسباب کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ اس جگہ
ہمدردی سے پیش آنے والے اور علم حاصل کرنے [illegible] خاص اہمیت ہے۔ شیعانِ علیؑ اور دوستدارانِ
اہلبیت کے مطابق وہ نورانی ہستی [illegible] باب مدینۃ العلم، وارثِ رسولؐ
حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے سوا اور کون ہو سکتی ہے!!

اس کے بعد مرنے والے کو ایک لائن یا [illegible] حد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو دنیائے فانی
اور عالم جاودانی کی حدِ فاصل ہوتی ہے۔ اور [illegible] مرنے والا اس سرحد کی طرف بڑھتا ہے۔ لیکن سرحد
پر پہنچ کر اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اب اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اور اسے واپس جانا ہے
کیونکہ ابھی اس کی موت کا وقت نہیں آیا ہے۔ وہ اس مقام سے واپس آنا نہیں چاہتا۔
وہ اس دلکش اور پُرمسرت سکون کو کھونا نہیں چاہتا۔ لیکن یہ اس کے لئے ممکن نہیں ہو سکتا
اور وہ اپنے جسم سے متحد ہو کر دوبارہ زندہ ہو جاتا ہے۔ دنیا میں واپس آنے کے بعد وہ اپنے
تجربات دوسروں کو بتلانا چاہتا ہے۔ مگر اسے دشواری پیش آتی ہے کہ وہ ان مافوق الفطرت

چیزوں کو [illegible]
مشاہدات بتلانے ہیں [illegible] بات سے گزرے ہیں ان کے بعد اپنی موجودہ زندگی [illegible]
تلخ حقیقت سے زیادہ نہیں لگی [illegible] وہ زندگی میں جانے کے بعد بھی وہ جوش [illegible]
ان میں سے کچھ لوگ تو کئی کئی ہفتے [illegible] ملکوتی دنیا سے واپس آنے کے بعد
بھی اس دنیا میں رہنا نہیں چاہتا تھا ہر مرنے والے کی زندگی اس تجربہ کے بعد [illegible]
انہوں نے کبھی اس کی تشہیر [illegible] نہیں کیا اور ان کی زندگی کے باقی اوقات [illegible]
گزر گئے۔ کچھ کی زندگیاں بڑی پرلطف بھی ہو گئیں کیونکہ ان کے دلوں سے موت کا خوف نکل چکا
تھا۔ جب تک انسان کو حیات بعد از موت کا یقین نہ ہو جائے [illegible] جہانِ فانی کا
تصور قائم کئے رہے اس کی زندگی نہ تو کبھی مسرور ہو سکے گی اور نہ وہ کبھی اس زندگی سے آسودہ
ہو سکے گا ——— بلکہ وہ اپنی زندگی کو مائل بہ فنا محسوس کرتا ہوا وقت سے پہلے ہی ختم
کر جائے گا۔ اسے زندگی میں بھی موت کے بعد جیسی تاریکی ہی نظر آئے گی۔ اور بس۔

اس کے برعکس جب انسان کو خدا، دینِ خدا، کتابِ خدا، رسالت اور امامت پر یقین
ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کا یقین بھی ہو جاتا ہے کہ [illegible] اعمال نیک و بد [illegible]
سرور و راحت کا کوئی انجام ہے [illegible] ہماری یہ زندگی [illegible]
سے سفر کر جانے کے بعد ابد کی وسعتوں کی طرف چلا جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے دنیا میں
سکون و قرار ہے۔

حشر و نشر اور جزا و سزا کا عقیدہ ہی ایک ایسی قوت ہے جو ظالم اور جابر انسانوں کو
ان کے جرائم سے روک سکتی ہے۔ مظلومین کو صبر و قرار دے سکتی ہے اور مومنین کو دعوتِ عمل دے
سکتی ہے۔ انسان جب تک اس دنیا میں رہتا ہے تمناؤں اور خواہشات میں گھرا رہتا ہے۔

لیکن وہ انسان جس کا "حیات بعد از موت" اور حشر و نشر پر یقین ہوجاتا ہے وہ اس دنیا کو حقیر اور فانی سمجھ کر اس سے کنارہ کش ہوجاتا ہے۔ ایسا انسان اپنی خواہشات نفسانی کو زیر کر لیتا ہے اور پھر اسکے دنیاوی اعمال اس کی مرضی کے مطابق اور عین عقل کی رہبری میں ہوتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے اعمال پر قابو حاصل کرنے کے بعد اپنے انجام کا خالق بن جاتا ہے اور وہ اپنی علمی اور عقلی صلاحیتوں کے مطابق بلند مدارج حاصل کر لیتا ہے۔

جب انسان پر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ کائنات ایک منظم اور باضابطہ قانون کے تحت چل رہی ہے اور اس نظام کا ایک ایسا باریک بین نگراں ہے جس کا نظم و ضبط ایک حقیر چیونٹی سے لے کر دور افق پر پھیلے ہوئے سیاروں اور کہکشاؤں تک حاوی ہے۔ اور جب اُسے یقین ہوجاتا ہے کہ یہ ایک ایسا کائناتی نظام ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے تو یہ بات اسکے ذہن میں نقش ہوجاتی ہے کہ اسکا کوئی چلانے والا ضرور ہے۔ جو قدیم ہے۔ جو قادر ہے۔ جو قوی ہے۔ اور جس کے زیرِ فرمان یہ کائنات رواں دواں ہے اور جس کے اس خوش اسلوبی سے چلتے رہنے کے پیچھے کسی بزرگ و برتر طاقت کا ہاتھ ہے۔ جو خدا ہے۔ خالق ہے۔ مربّی اور پروردگار ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل مضمون سے پہلے اُس خدائے وحدہٗ لاشریک کی قدرتِ کاملہ کا ایک مدلل اور قابلِ قبول خاکہ پیش کیا جائے جو قارئین کی ایمان بالغیب کی طرف رہنمائی کر سکے اور وہ پختہ اور غیر متزلزل ذہن اور پُر یقین اِدراک کے ساتھ "حیات بعد از موت" پر ایمان لاسکیں۔



# خالقِ کائنات

آج انسان نے علم ادب اور سائنس میں ترقی کی جن منزلوں کو چھو لیا ہے وہ اسکی ایک دن یا ایک قلیل مدت کی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس نے موجودہ علوم میں بتدریج ترقی کی ہے اور اس کے لئے اسے ایک لمبی مسافت طے کرتے ہوئے صدیوں کا سفر کرنا پڑا ہے۔ اسی طرح مذہب اور عقیدہ کے میدان میں بھی اس نے صدیوں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ دیگر دنیاوی علوم کی طرح مذہب اور اعتقادات کا سُراغ بھی تاریخ ماقبل سے ہی ملتا ہے۔ اور انسان نے دوسرے علوم کی طرح روحانی ترقیوں کی منزلیں بھی بتدریج طے کی ہیں۔ جس طرح زبانیں۔ ادبیات۔ فلسفہ اور سائنس کی تحقیق اور دریافت انسان کی بتدریج بدلتی ہوئی ذہنیتوں اور تجربات کے بعد ہی پایۂ عروج اور تکمیل تک پہنچی ہیں اسی طرح تاریخ انسانی کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک مذہب اور عقیدوں میں بھی کتنی ہی تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ مذاہب تشکیل ہوتے رہے ہیں۔ مذاہب بگڑتے رہے ہیں۔ مذاہب مٹتے رہے ہیں۔ کبھی شجر و حجر کی شکلوں میں۔ کبھی آفتاب، ماہتاب اور سیارگان کی صورتوں میں کبھی حیوانوں اور انسانوں کی شکلوں میں اور اس طرح خداؤں کی کثرت ہوتی گئی۔ معبودوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اور اس طرح خیالی تصوّراتی۔ اور قیاسی خداؤں کی منزلیں طے کرتا ہوا قافلۂ نظریۂ معبود بھی آخر کار ایک وحدہٗ لاشریک تک پہنچ کر مکمل ہوسکا۔

تاریخ ماقبل کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ علوم مادّی اور علوم روحانیات دونوں کی ابتدائی اور ارتقائی منزلیں ایک ہی سطح سے ابھری ہیں اور دونوں کی اس تدریجی

رفتہ رفتہ مشکل ہوتا جاتا ہے۔ خود برے پر ... کا اندازہ ہو جاتا ہے رسم و رواج اور ... میں ایک بڑا کردار عقاید اور مشاہدات کا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ مشاہدات میں آجانے والا علم قبول کر لینا زیادہ آسان ہے جب کہ عقیدہ اور عقلی دلیلوں سے پیش کیا جانے والا علم ایقان دیر سے ہوتا ہے جس کے قبول کرنے کے لئے ذہنی کاوشوں کے ساتھ ساتھ بڑی فکر اور تجربے محسوسات کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور یہ بڑے اعتماد مانوس اور زمانہ شناس رہنے والوں کا کام ہے جو علم الہیات کو حاصل کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے سائنس اور دیگر علوم بھی انھیں تخیلات اور دلیلوں کے دور سے گذرے ہیں سائنس بھی انہی ... عقیدہ اور مذہب گذرا ہے اور انھیں دیومالائی اور مفروضہ نظریے دور سے ابتدا کی اور پھر اپنے تحقیقات اور تجربات کے ذریعہ سے دریافت کی علامتیں مرتب حاصل کرلیں۔ یہی ذہنی کاوشوں تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ سے عقل انسانی ... بات بھی پہنچیں۔ اندازہ میں محسوس کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی کہ فطرت اور تخلیق کائنات میں مکمل رابطہ اور اتحاد ہے۔ حقائق کی روشنی میں ذہن انسانی نے محسوس کیا کہ ان باضابطہ قانون فطرت اور اس مربوط دستور کائنات کا کوئی خالق ضرور ہے جس کے حکم سے یہ عالم موجودات ایک مربوط پابندی کے ساتھ سختی سے کاربند ہے۔ ہر اسباب کا کوئی سبب۔ ہر ایجاد کا کوئی موجد اور ہر تخلیق کا کوئی خالق ضرور ہے۔ اور اس نظریہ کے ساتھ فکر انسانی آگے بڑھی۔

ابتدا میں انسان سوچتا تھا کہ اس کائنات کا موجد انسانی یا حیوانی شکلوں میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور اسی تصور نے انسان کو مادی حیوانی شکلوں اصنام اور ہمزادوں سے گذر کر روحانیات تک پہنچا دیا۔ انسان نے آہستہ آہستہ کچھ اور بھی علمی رفعت اور بلندی



... اور اس طرح اس کا عقیدہ توحید ... تک پہنچ سکا۔

ہمارے اس نظریہ سے خدانخواستہ یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ دین اور مذہب کی اساس ... پیغمبران خدا کا کوئی کردار نہیں رہا۔ دین وحدت (اسلام) کا پودا تو سب سے پہلے حضرت آدمؑ نے ہی لگایا تھا۔ آپ کے بعد جتنے بھی پیغمبران دنیا آئے اس پودے کی پرورش اور آبیاری کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران دنیا اور بارہ آئمہ طاہرین نے اسی دین کی تبلیغ کی مگر ان کی تعلیمات زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے علمی معیار اور وسعت ادراک کے مطابق ہی قابل قبول ہو سکیں۔ یہاں تک کہ خالق کائنات نے دین کی تکمیل اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ کے ہاتھوں کی اور اس سے تکمیل کی سند عطا فرمائی۔ آپ کے بعد تعلیم دین وحدت کے لئے پھر کسی نبی یا رسول کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ ... خواہ وہ کافر ہو یا آتش پرست۔ بت پرست ہو یا ستارہ پرست۔ سب کا ... کا عقیدہ یہی ہے کہ خالق تو بس ایک ہی ہے۔ اور اس طرح اب صرف ان کی رہبری کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے جنہیں آئمہ طاہرین پوری کرتے رہے اور وہ رہبری آج تک جاری ہے۔

اسی طرح یہ ہادیان دین تھے جنہوں نے دین وحدت کو تکامل کی منزلوں تک پہنچانے میں کلیدی رول ادا کیا مگر انسان کچھ اپنی فطری کمزوریوں، کچھ اپنی ضد، کچھ بغض و حسد اور کچھ علم کی نارسائی اور قدرت کی وجہ سے انتہائی آہستہ روی کے ساتھ منزل مقصود حاصل کر سکا۔ حضرت آدمؑ کے بعد حضرت نوحؑ کا نام آتا ہے۔ جن کی ساڑھے نو سو سال کی تعلیمات کے بعد صرف اسی (۸۰) مومن ہی سفینۂ نوح پر سوار نظر آتے ہیں جب کہ رسول اسلامؐ کی تیئس سال (۲۳) کی تبلیغ کے نتیجہ میں آپ کے دور حیات کے آخری ایام میں سوا چوبیس لاکھ

لوگ دینِ حق قبول کر چکے تھے۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ دینِ حق کے فروغ پر علم و ادراک اور بلندئ فکر کا گہرا اثر اور براہ راست تعلق رہا ہے۔ اور یہ دونوں اپنی تکامل منزلوں کی طرف شانہ بشانہ ہی بڑھے ہیں اگرچہ اس تکامل دین کے لئے مرضیِ خالق اور تبلیغ سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہ ساری ارتقائی منزلیں خواہ وہ علم ادب اور سائنس کی ہوں خواہ دینی ہوں فطرت ارتقا کے عین مطابق ہیں اور یہی فطرت انسانی اُسے اسکی ذہنی اور عقلی کاوشوں کے بناء پر حیوانوں سے الگ کرتی ہے۔

اس سلسلے میں کچھ مفکّرین کا خیال ہے کہ انسان نے حالات کی سختیوں۔ زمانہ کی تلخیوں اور دشوار ترین حالات کے سامنے جب خود کو کمزور اور بے بس محسوس کیا تو وہ مذہب کے پناہ میں آگیا۔ مگر کیا ایک کمزور ذہنیت کا انسان دین کی وضاحت کر سکتا ہے! کیا ایک غیر مستحکم ارادہ کا انسان کسی قوی اور مضبوط مذہب کی تشکیل کر سکتا ہے۔! کیا ایک بزدل انسان کے پردۂ تخیل پر کسی مستحکم دین کا تصور ابھر سکتا ہے۔! اور سب سے اہم سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ کیا ظالم۔ جابر اور زبردست انسان ایک لاغر اور کمزور مبلغ دین کی تقلید کرنا گوارہ کر لیں گے۔ رہبرانِ دین اپنے معاشرہ کے سب سے عظیم کردار اور مستحکم عزم و استقلال کے حامل تھے اور اسی بلند حوصلہ اور مضبوط قوت ارادی سے انہوں نے بگڑے ہوئے معاشرہ میں دین اور آئین کی تبلیغ انتہائی کامیاب حدوں تک کی۔ ایسے انسان کمزور ذہنیت اور ناتوان اہلیت کے ہونے کے بجائے بڑے اولوالعزم اور مضبوط قوت ارادی کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ ایسے بلند ارادوں۔ یقین محکم اور عمل پیہم والے رہے ہیں جنہوں نے بگڑی ہوئی انسانیت۔ بدکردار معاشرہ اور پس ماندہ سماج کو کامیابی اور کامرانی کے ساتھ نہ صرف دینِ حق پر لگا دیا بلکہ انھیں ظالم اور جابر طاقتوں اور



حکومتوں کے خلاف مقدس جہاد کے لئے مسلّح بھی کر دیا۔ نہ تو انھیں تلخئ روزگار ہی کبھی ہراساں کر سکی اور نہ انھیں قتل و غارت گری نے ہی مغلوب ہونے دیا۔

یہ انسانی ذہن کی رموز کائنات سے پردہ اٹھا دینے کی طاقت ہی ہے جو اس کے ایمان کو مستحکم اور قوتِ ادراک کو حقائق سے روشناس کرتی ہے۔ جو شخص جویائے حق اور متلاشئ واجبات ہوتا ہے اس سے بہتر تندرست ذہن اور قوی ارادہ کا دعویدار کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ کمزوری اور بیماری تو انسان کے تخیلات کو خود ہی لاغر اور کمزور بنا دیتی ہے۔ ایسا انسان جو اپنی ناتوانی اور لاغری میں خود ہی مقید ہو وہ بھلا عالمی حقائق کو کیا بے نقاب کر سکے گا۔!

کچھ محققین اور فلسفی کہتے ہیں کہ مذہب کی کوئی قابلِ قبول بنیاد نہیں ہے اور اس کا انحصار محض مفروضات پر ہے مگر اس کے باوجود آج تک نہ تو وہ لوگ اس کی کوئی قابلِ قبول دلیل ہی پیش کر سکے اور نہ خدا سے انکار کا کوئی ثبوت ہی پیش کر سکے جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ان کے طرزِ فکر اور تلاشِ حق میں یا تو مکمل کوتاہی ہے یا پھر ان کی جستجو اور جدوجہد جہالت کی تاریکیوں میں گم ہو چکی ہے۔ اور اگر دین و مذہب کا انحصار مفروضات ہی ہوں تو علوم سائنس اور طبِ وغیرہ نے آج جو بلندیاں حاصل کی ہیں اور حقائق سے ہم آغوش ہوئی ہیں ان کی ابتدا بھی تو قیاس آرائیوں اور مفروضہ دلیلوں سے ہو کر ہی پُر یقین۔ مفید اور کارآمد منزلوں تک پہنچی ہیں۔

انسان کچھ ایسے شعوری حواس اور مدلّل مفروضات کے ساتھ پیدا ہوا ہے جس کے لئے نہ تو کسی دلیل کی ضرورت ہے اور نہ کسی طرح کا خارجی ثبوت درکار ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ خارجی ہدایات اور تعلیمات نے ان جبلّی تصورات کو مزید مستحکم کیا ہے۔ یہ فطری احساسات اور

ادراک جاہل اور ذی علم میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کل نصف یا جزئیات بڑا ہوتا ہے۔ ایک اور ایک دو ہوتے ہیں۔ یہ ایسے عامی حقائق ہیں جن کے لئے کسی بیرونی علم کی ضرورت نہیں ہے مگر ان فطری حقائق کو بروئے کار لانے کے لئے اور نئے نئے طریقوں سے استعمال کرنے کے لئے علم اور سائنس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب اگر ایک عالم اور دانشور ان فطری اور بنیادی اصولوں کو غلط ڈھنگ سے استعمال کرے اور مثبت رخ کی بجائے منفی رخ پر استعمال کرے تو عقل اور علم اور سائنس دان کی [illegible] ہوگی نہ کہ اس کے لئے قوانین فطرت کو مورد الزام ٹھہرایا جائے۔ ذہنی محقق اور معلم مشکوک اور گمراہ اس وقت ہو جاتا ہے جب وہ پہلے سے طے شدہ فطری اصولوں اور قوانین کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

خدا پر ایمان انسان کے لئے قدرتی اور پیدائشی ہے۔ اور اس کا ادراک اُسے اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ اپنے ذہن اور افکار کو دینی اور دنیاوی تعصبات سے آزاد کرنے اور تعصب کی عینک اتار کر تخلیق کائنات پر غور کرے تو پھر وہ خود کو ان بڑی اور گھومتی ہوئی گردش کرتے ہوئے سیاروں میں سے ایک پر پا کر خود کو متحرک محسوس کرنے لگتا ہے اور اس وقت وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کی زندگی ایک ایسے مرکز پر ہوتی ہے جس کا انتخاب اس نے خود نہیں کیا۔ زندگی کے اس سفر میں نہ تو اس کی مرضی کا کوئی دخل ہے اور نہ اس کے ارادوں کا کوئی شمار ہے۔ وہ اس متحرک کائنات کا محض ایک جزو ہے اور بس۔ اس کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس نظام کائنات کے اور خود اس کے درمیان کوئی رشتہ ہے۔ کوئی لگاؤ ہے۔ کوئی تعلق ہے اور اس نظام قدرت کے پس پشت کوئی ایسی زبردست قادر اور قوی طاقت کارفرما ہے جس کو وہ خود نہیں دیکھ سکتا۔ ایک ایسی طاقت جو اپنے ارادوں اور اختیارات میں خود مختار ہے۔
ایک ایسی طاقت جو انسان جیسی ذرۂ ناچیز کو بلا کسی کے مشورہ اور تعاون کے عالمِ وجود میں



[illegible] ہے۔ اور پھر ایک دن فنا کے گھاٹ اُتار دیتی ہے۔!!

یہ بات جو پائے حق کا ذہن [illegible] ہے جو فیصلہ کرنے [illegible] کہ کوئی چیز بغیر بنانے والے کے نہیں بن سکتی۔ بغیر فاعل کے کسی فعل کا صدور نہیں ہو سکتا اور عامل کے کسی عمل یا ردعمل کا ہونا ناممکن ہے۔ کیا اپنے آپ پیدا ہو جانے کی کوئی مثال علم انسانی آج تک پیش کر سکا ہے۔ اگر ازل سے آج تک ایک بھی ایسی مثال مل سکتی تو ہمیں کہنے کا حق ہوتا کہ ایسا امکان بر تخلیق کائنات کے سلسلے میں ہو سکتا ہے مگر قانون فطرت تو یہی ہے کہ نہ تو کوئی مادہ ختم ہو سکتا ہے اور نہ کوئی نیا مادہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نہ تو کوئی توانائی ختم ہو سکتی ہے اور نہ کوئی نئی توانائی پیدا ہو سکتی ہے۔ موجودہ دور کی جدید سائنس بھی اسبات کے ثبوت فراہم کر چکی ہے کہ قانون فطرت کے تحت کسی مزید شے کے خلق ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

اور اگر کوئی اس کے خلاف نظریات قائم کرتا ہے تو وہ علم سائنس اور علم فطرت سے انحراف [illegible] جان بوجھ کر بنیادی حقائق سے چشم پوشی کر رہا ہے۔ اور اس طرح [illegible] انسانی نہ ہو کر حیوانی ہوگا۔

ان کے برخلاف جو لوگ اپنی پیدائشی اور فطری عقل [illegible] حالات۔ رسوم اور فاجرانہ [illegible] ماحول سے متاثر ہوئے بغیر [illegible] اور اپنے کردار عمل سے حق کا اظہار کرتے ہیں [illegible] حق سے بھٹکتے نہیں بلکہ اپنے دلوں کو [illegible] یقین کی شمعیں روشن کرتے ہیں۔ کیونکہ انسان ذہنی اندر [illegible] شعور سے [illegible] ہوا ہے۔ یہی جبلی شعور اور باطنی نور انسان کو دلی راحت اور سکون پہنچاتا ہے۔

جب ایک مادّہ پرست اور اپنی کامیابی اور شہرت کا بھوکا انسان اپنے عروج اور شہرت کے دنوں میں مدہوش ہوکر حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے تو پھر وہ خدا کی بے پناہ طاقتوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن وہی انسان جب کبھی مصیبتوں شکستوں اور بربادیوں سے دوچار ہوتا ہے تو سیدھے اُسی قادرِ مطلق کے دامنِ اماں کی طرف بھاگتا ہے جس کا کبھی وہ انکار کیا کرتا تھا۔

بُت پرستی۔ آفتاب و ماہتاب پرستی۔ ستارہ پرستی۔ آفریتوں اور جانوروں کی پرستش توہماتی ہی سہی۔ غیر مہذّب اور گمراہ کن ہی سہی مگر یہ سب اسبات کے گواہ ضرور ہیں کہ انسان کو اپنی جبلی فطرت کی بناء پر اپنے پیدا کرنے والے کی تلاش ضرور تھی۔ اپنے خالق کا تصور ان کے دلوں میں ابتدا سے لے کر ہر دَور اور ہر زمانہ میں رہا ہے۔ اصنام پرستی کا یہ ابتدائی دَور بھی سائنس اور ٹکنالوجی جیسا ہی ہے۔ ان علوم اور سائنس کی بنیادیں بھی مفروضات اور قیاس آرائیوں پر ہی نظر آتی ہیں جو تحقیق اور دریافت کے سہاروں پر آگے بڑھتی رہیں اپنی منزلوں کی طرف۔ کامیابیوں کی طرف ایک کا قدم تکمیل علم اور حصول سائنس کے لئے دوسرے کا قدم اپنے حقیقی خالق اور وحدہٗ لاشریک کے لئے!!

علوم کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسان نے تخلیق کائنات۔ ہستیٔ کائنات اور بقائے حیات پر غور کیا۔ غور کرتے رہے ہیں اور غور کرتے رہیں گے پھر بھی وہ اپنے حاصل شدہ علم کو صفر سے زیادہ نہیں پائیں گے۔ رموزِ کائنات کے بحرِ زخّار سے ہمارے حاصل شدہ علوم اور معاملات کی کوئی نسبت نہیں ہے۔ لاکھوں محققین اور دانشور آئے اور تھک کر چلے گئے مگر آج بھی ایسا لگتا ہے جیسے ہم جس جگہ سے چلے تھے اس سے محض چند قدم ہی آگے بڑھ پائے ہیں۔ آج بھی علماء اور عقلاء جس کو اپنے علم کی معراج سمجھ رہے ہیں وہ کچھ ایسے ہی ہے جیسے تاریکیوں کے عظیم صحرا میں ایک ننھی سی شمع روشن کر لی ہو جس کے آگے۔ پیچھے۔ دائیں اور بائیں



اب بھی نامعلومیت اور مجہولات کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔ ایک ایسا اندھیرا جو لاکھوں برس پہلے تھا وہ آج بھی قائم ہے۔ علم کے ساتھ ساتھ لاعلمی کا غبار اور بھی دبیز اور گہر نظر آنے لگا ہے۔ ایک ایسا غبار جس میں خود انسان کو اپنی خبر نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ نہ تو ہم اپنے آغاز سے باخبر ہیں اور نہ انجام سے۔ ہم کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ محض اپنے اس چھوٹے سے کرۂ زمین پر کتنی زندگیاں موجود ہیں یا پھر اِن کروڑوں اور اربوں اجرام فلکی پر کیا ہے۔ جو ہم کو اپنی طاقتور ترین دوربینوں سے بھی محض ایک پن کی نوک سے زیادہ نظر نہیں آتے۔

اگر ہم لاکھوں صدیوں تک ایک لاکھ کیلو میٹر فی سکنڈ کی رفتار سے بلا کہیں رُکے ہوئے سفر کرتے رہیں پھر بھی ہمیں وہی کائنات نظر آئے گی۔ وہی افلاک نظر آئیں گے۔ وہی ستاروں کا جھرمٹ ہوگا اور اسی طرح کی نئی کہکشائیں ہوں گی۔ نیا عالم ایجاد ہوگا۔ نئی موجودات ہوں گی اور پھر اس کے بعد کیا ہے؟ پھر وہی صورتِ حال۔ یہ افق کہیں سے بند نہیں ہے یہ آسمانی راستے کہیں ہماری صدِ راہ نہیں ہیں۔ ہمیشہ وہی کائنات۔ ہر جگہ وہی خلائیں۔ وہی اجرام فلکی اور ان کا اپنے مدار پر وہی گردش عمل۔ اس دائرہ کا نہ تو کہیں مرکز نظر آئے گا اور نہ آخری کنارہ۔ اور انجام کار ہمیں محسوس ہوگا کہ ابھی تو ہم نے اس عالم لامتناہی کا مطالعہ شروع بھی نہیں کیا۔ ابھی تو ہم اپنی کتاب تحقیق کے پہلے صفحہ کو ہی ختم نہیں کر سکے۔!! ابھی تو ہم نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اب خوف کے مارے قدم پیچھے کو ہٹ رہے ہیں۔ یہ اب تک کی اتنی لمبی مسافت بے مقصد ہی رہی۔ مسافر تھک گیا۔ کہاں گرے کچھ معلوم نہیں۔!!

ذہن انسانی نے آج تک لاتعداد تحقیق و دریافت کی۔ لاکھوں کتابیں لکھ ڈالیں جس میں زیادہ سے زیادہ ایک سو یا ایک ہزار سیاہی کی بوتلیں ہی کافی ہوں گی۔ لیکن اگر تمام کائنات

خواہ وہ زمینی ہو یا آسمانی۔ مادی ہو یا خلائی۔ ماضی ہو یا مستقبل۔ اگر ان سب کو تحریر کیا جائے تو ساری دنیا کے سمندر بھی کم پڑیں گے۔

"کہدو اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کو لکھنے کے لئے سیاہی ہو جائے تو قبل اس کے میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر تمام ہو جائیں گے۔" (۱۸۔۱۰۸)

جس طرح ہم کسی دانشور کی علمی خدمات کا اندازہ اس کی قیمتی تصنیفات سے لگا سکتے ہیں۔ جس طرح ہم کسی موجد کی اہمیت کا اندازہ اسکی ایجادات سے لگا سکتے ہیں۔ جس طرح ہم کسی فنکار کی صلاحیتوں کا اندازہ اس کے فنی نقوش سے لگا سکتے ہیں اسی طرح ہم خدائے وحدۂ لاشریک کی قدرت کا اندازہ اس کائنات کے موجودات سے لگا لینا چاہتے ہیں مگر یہ بھی محال ہے۔ یہی ناممکن ہے۔ ہم مکمل طور سے اس کی معرفت حاصل کر ہی نہیں سکتے کیونکہ انسان کی قوت معرفت اس لائق ہی نہیں ہے کہ اس کی ساری تخلیقات اور مخلوقات کا مکمل احاطہ کر لینے پر قادر ہو سکے۔ ہم کتنا ہی اپنے عقل و ادراک کو وسیع سے وسیع تر کر لیں۔ اپنی ساری صلاحیتیں بروئے کار لائیں یہ ہمارے لئے نہ تو کبھی ممکن ہو سکا ہے اور نہ ہو سکے گا۔ اور نہ اس تک ہماری رسائی ہی ممکن ہے۔

خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لئے نہ تو ہمارے پاس کوئی عدد ہے اور نہ طریقہ۔ اسکے قدرت علم کا ادراک کرنے اور اندازہ لگا لینے کے لئے نہ تو ہمارے پاس کوئی آلہ ہے اور نہ میزان۔ ایسی صورت میں اس کے صفات کی معرفت حاصل کر لینے کے لئے عقل انسانی آج بھی عاجز ہے اور شاید کل بھی عاجز ہی رہے گی۔ یہ تو صرف توفیق الٰہی ہی ہے جو کبھی کبھی کسی کسی پر ہدایات الٰہیہ اور الہامات [illegible] بن کر بجلی کی طرح چمک جاتی ہے۔ اور اسی نور [illegible] کی چمک سے [illegible] راہیں روشن ہو جاتی ہیں۔



یہ دین اسلام ہی ہے جس میں خدا کی معرفت انتہائی واضح اور عقلی بنیادوں پر قائم ہے۔ اور جو کائنات پر غور کرنے کی مدلل انداز سے تعلیم دیتا ہے۔ صحیح اور غلط افکار کو واضح کرتے ہوئے توحید تک پہنچنے کی راہیں روشن کرتا ہے۔

قرآن اعلان کر رہا ہے۔

"کیا ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر کچھ اور معبود بنا رکھے ہیں (اے رسولؐ) کہو کہ بھلا اپنی دلیل تو پیش کرو۔ جو میرے زمانہ میں ہیں ان کی کتاب (قرآن) اور جو لوگ مجھ سے پہلے تھے ان کی کتاب (توریت اور انجیل) موجود ہیں۔ (ان میں خدا کا شریک بتلادو) بلکہ ان میں سے اکثر تو حق (بات) کو جانتے ہی نہیں۔ (تو جب خدا کا ذکر آتا ہے) یہ لوگ منھ پھیر لیتے ہیں۔"

(۲۱۔۲۴)

جس شخص کا تعلق توحید سے ختم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خود ہی گمراہ کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ خود اپنے آپ کو بھی گم کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ قانون فطرت سے بھی اپنا رشتہ توڑ لیتا ہے اور آخر کار وہ خود اپنی ذات اور فطرت سے بھی اجنبی ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ دوسری لاحاصل طاقتوں کے سامنے سرنگوں نظر آنے لگتا ہے۔ ایسے گمراہ بندہ کی دلیل بھی انھیں مصنوعی اور عارضی خداؤں کے سامنے اپنا ضمیر ختم کر کے سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اس کے احساس وحدت کو مار کر مادہ پرستی اور بت پرستی زندہ ہو جاتی ہے۔

قرآن حکیم نے وحدانیت کی شناخت کے لئے [illegible] کی طرف رہنمائی کی ہے۔

کیا یہ لوگ بلا کسی کے پیدا کئے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہی لوگ (مخلوقات کے) پیدا کرنے والے ہیں۔ یا انہوں نے ہی سارے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں۔ (نہیں) بلکہ [illegible]

یقین نہیں رکھتے۔" (۵۲۔ ۳۵ و ۳۶)۔ ہر اس قابل محسوس چیز پر جسے انسان اپنے گرد و پیش دیکھتا ہے، بغور سوچنا چاہیئے اور نتیجہ اخذ کرنا چاہیئے جس کی قرآن نے بھی تعلیم دی ہے۔ "اور تمہارا معبود تو وہی خدائے یکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔"

"بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں اور کشتیوں (جہازوں) میں جو لوگ نفع کی چیزیں (مال تجارت وغیرہ) دریا میں لے کر چلتے ہیں۔ اور پانی میں جو خدا نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین مردہ (بنجر) ہونے کے بعد جلایا (شاداب کر دیا) اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کے چلنے میں اور ابر میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (خدا کے حکم) سے گھرا رہتا ہے۔ (ان سب میں) عقل والوں کے لئے (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں۔" (۲۔ ۱۶۳ و ۱۶۴)۔

قرآن حکیم میں اُمم سابقہ کے قصے اس لئے نہیں سُنائے گئے کہ انھیں محض کہانیاں سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہ خدا کی معرفت حاصل کرنے کے مخصوص انداز ہیں تاکہ ان سے حقائق آشکار ہو سکیں۔ ایسے لوگوں کے غرور۔ نخوت۔ خود پرستی خوش بختی۔ بد بختی کامرانی اور ناکامی کے حالات پڑھ کر انسان ان سے سبق حاصل کرنے کے بعد خدا کی حقیقی معرفت حاصل کر سکے۔ اور فائدے اٹھا سکے۔ جس کے نتیجے میں انسانی معاشرہ خوش حال اور کامران ہو سکے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"تم سے پہلے بہتیرے واقعات گزر چکے ہیں۔ تو ذرا روئے زمین پر چل پھر کر تو دیکھو کہ (اپنے اپنے وقت کے پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔" (۳۔ ۱۳۷)

یقیناً خدا تمام کمالات اور صفات کا حامل ہے۔ وہ ہر حُسن و جمال۔ ہر عقل و کمال اور ہر ممکن و محال کا خالق ہے۔ اسی خالق وحدہٗ لاشریک نے زمین و آسمان اور تمام اجرام فلکی کو گرنے سے



روک رکھا ہے۔ اگر خدا ایک لمحہ کے لئے بھی ان چیزوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لے تو پھر یہ کائنات معدوم ہو کر رہ جائے اور یہ ہستی غبار ہو کر نیستی میں بدل جائے۔ اُسکے ایک کُن کہہ دینے سے یہ عالم وجود ہے جس کا ادراک کر لینا دشوار ہے۔

خدا کی یکتائی کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم تنہا اُس ایک ذات کا تصور تمام موجودات سے الگ ہٹ کر کریں تو اس کا وجود برقرار اور ثابت ہے۔ اگر ہم اس کے وجود کا تصور تمام موجودات کے ساتھ کریں تو بھی اس کا وجود ثابت اور قائم ہے۔ لیکن اگر ہم تمام موجوداتِ کائنات کا تصور خدا کے بغیر کریں تو پھر اس کائنات کی بقاء ناممکن ہے۔ کیونکہ اگر خدا ہی نہ ہوگا تو یہ موجودات کیونکر رہ سکتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ خدا "وجود محض" ہے اور اس کے علاوہ اگر کسی دوسرے کو اس کا جیسا ہی خدا مانا جائے تو اس کے لئے بھی ایک دوسری اور ایسی ہی لامحدود کائنات تسلیم کرنی ہوگی اور ایک دوسرا عالم جسمانی قبول کرنا پڑے گا جو نہ تو علم میں آنے والی بات ہے اور نہ کوئی عقل اسے قبول کر سکتی ہے۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ کا واحد مان لینا ہی جائز بھی ہے اور قابل قبول بھی۔ اور اس کے ساتھ کسی دوسرے خدا کا مان لینا جہل ہے اور بے معنی۔ اس حقیقت کے ذہن میں واضح ہو جانے کے بعد انسان اس عظیم اور لامحدود کائنات کو دیکھ کر اس کی صحیح معرفت حاصل کر لیتا ہے اور پھر وہ معارف کی ان منزلوں پر پہنچ جاتا ہے جہاں سوائے ذات خدا کے اُسے اور کچھ نظر نہیں آتا۔

ہم اپنے علم اور عقل سے یہ بات واضح طور سے دیکھ رہے ہیں کہ یہ نظام عالم ایک نظام واحد کے تحت ہی چل رہا ہے۔ نفس انسانی نباتات اور سبزہ زاروں کے لئے کاربن گیس مہیا کرتا ہے اور یہ اشجار اور نباتات نفس انسانی کے لئے اس کے بدلہ میں آکسیجن گیس فراہم کرتے ہیں۔ یہ کتنا عالمانہ ربط ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی نظام بگڑ جائے تو صفحۂ ہستی کا وجود ہی

تمام ہو جائے۔ اسی طرح سورج سے زمین کو جو گرمی حاصل ہو رہی ہے وہ صرف اتنی ہی ہوتی ہے جس سے نظامِ موجودات قائم رہ سکے۔ اسی طرح سورج کے گرد زمین کی یہ سرعت رفتار اور سورج سے زمین کا فاصلہ ایسا رکھا گیا ہے کہ اس پر انسان اور جاندار کی زندگی ممکن رہ سکے. اگر اپنے محور پر زمین کی گردش کی رفتار ہزار میل فی گھنٹہ سے گھٹا کر صرف سو میل فی گھنٹہ ہو جائے تو دن اور رات کا طول موجودہ وقت سے دس گنا بڑھ جائے گا جس کے نتیجے میں دن کا درجۂ حرارت اس قدر بڑھ جائے کہ تمام نباتات جل جائیں اور زندگیاں شعلہ ہو جائیں اور پھر راتوں کی ٹھنڈک اس قدر بڑھ جائے کہ تمام نباتات منجمد ہو کر رہ جائیں اور زندگیاں تلف ہو جائیں. کائنات کی خلقت کچھ اس انداز سے رکھی گئی ہے کہ یہاں کی ہر شے ایک دوسرے سے مربوط اور ایک نظام سلاسل سے منسلک نظر آتی ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ ایک نظامِ واحد کے تحت مشغولِ کار ہے۔ اور یہ حقیر سا انسان بھی اس سلسلۂ حیات کی ایک ادنیٰ مگر انتہائی اہم کڑی ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کائنات جو اس قدر مربوط اور عالمانہ ڈھنگ سے چل رہی ہے، یک نظامِ واحد کے تحت ہی چل رہی ہے اور اس طرح اس کا موجد بھی ایک ہی ہونا چاہیے جس کی دلیل قرآنِ حکیم نے اس طرح پیش کی ہے۔

"اے رسول تم ان سے پوچھو تو خدا کے سوائے جن شریکوں کی تم عبادت کرتے ہو. کیا تم نے انہیں دیکھا بھی ہے۔ ذرا مجھے بھی دکھلاؤ کہ انھوں نے زمین (کی چیزوں) میں کون سی چیز پیدا کی ہے۔ یا آسمانوں میں ان کا کچھ آدھا ساجھا ہے۔ یا ہم نے خود انہیں کوئی کتاب دی ہے کہ وہ اس کی دلیل رکھتے ہیں۔ (کچھ نہیں) بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے فریب دہی کا وعدہ کرتے ہیں۔ بے شک خدا ہی زمین اور تمام آسمان کو اپنی جگہ سے ہٹ جانے سے روکے ہوئے ہے۔ اور اگر فرض کرو یہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو پھر اس کے سوا کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ بے شک بڑا



بخشنے والا ہے۔" (۳۵۔۳۹ تا ۴۱)۔

بے شک یہ علم خالقِ کائنات ہی ہے جو ایک ننھے سے پرندے کو زمین کی عظیم کشش ثقل و قوت جاذبہ پر غالب رکھ کر اتنی آسانی کے ساتھ افق پر پرواز کرنے کی طاقت عطا فرماتا ہے۔

یہ خدا کی قدرت ہی ہے جو اہلِ علم اور دانشوروں کو اس کی عظمت کے سامنے سر جھکانے پر مجبور کرتی ہے خدا اپنی قدرت کی طرف اس ایک چھوٹی سی آیت میں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"اس کی شان یہ ہے کہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے"۔ (۳۶۔۸۲)۔ خدا جس وقت اور جب چاہے اس نظامِ کائنات کو ایک پل میں ختم بھی کر سکتا ہے۔ وہ جب چاہے ہر شے سے اپنی دی ہوئی طاقت اور سرشت کو معدوم بھی کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ عناصر کی تاثیرات کو لمحہ بھر میں ختم بھی کر سکتا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں اس کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

"آخر وہ لوگ (باہم) کہنے لگے کہ اگر کچھ کر سکتے ہو تو ابراہیم کو آگ میں جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو۔ (غرض ان لوگوں نے ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا) ہم نے فرمایا اے آگ تو ابراہیم کے لئے سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔ (کہ ان کو کچھ تکلیف نہ پہنچے) اور ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ چال کرنی چاہی تو ہم نے بھی (ان کی چالوں کو) ناکام کر دیا۔" (۲۱۔۶۸، ۶۹)

اس سلسلے میں یہ بات واضح کر دینی بھی ضروری ہے کہ خدا کے ہر چیز پر قادر ہونے کا تعلق صرف ممکن امور سے ہی ہے۔ اور عام معاملات میں عقل و ادراک سے محال اور ناممکن باتوں کی اس سے امید رکھنا تمہاری سمجھ کی بات ہوگی۔ اور ایسی باتوں کے لئے خدا کی قدرت کے الفاظ کا استعمال کرنا ہی بے معنی ہوگا۔ خدا کی قدرت لامحدود ہے لیکن ہر شے

کو علم اور عقل کے دائرہ کے اندر رکھنا ہی اس کی حقیقی معرفت ہے کسی شے پر قدرتِ الٰہیہ اسی وقت کارفرماں ہوگی جب اس شے میں بھی اس کی صلاحیت ہو کہ اس کی قدرت کمال کی متحمل ہو سکے۔ اور ظرف بھی ایسا ہو جو اسے قبول کر سکے۔ کیا کوئی ظرف ایسا بھی ہو سکتا ہے جس میں ساری دنیا کے سمندر سما سکیں۔ کیا کوئی سیڑھی ایسی بھی ہو سکتی ہے جس میں سورج کی تمام توانائیوں کو سمیٹا جا سکے۔ ایک شخص نے حضرت علیؑ سے سوال کیا کہ کیا خدا اس بات پر قادر ہے کہ ساری دنیا ایک انڈے میں سمو دے مگر نہ دنیا چھوٹی ہو اور نہ انڈا بڑا ہو۔ تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی طرف عاجزی کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے لیکن تم نے جو پوچھا وہ نہیں ہو سکتا۔ (یعنی ذاتِ الٰہی میں عجز نہیں مگر فعلِ محال اور امرِ ناممکن کو خدا کی قدرت سے متعلق کرنا غیر معقول اور بے معنی ہے)

خدا کی ذات کے متعلق کسی حد کا تصور کرنا غلط ہے۔ وہ لامکان ہے۔ کسی مکان میں نہیں سما سکتا۔ کائنات کا کوئی گوشہ اس کے وجود سے خالی نہیں ہے۔ وہ ہر شے سے آگاہ ہے کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو کھربوں سال پہلے گزرے ہوئے واقعات اور کھربوں سال بعد ہونے والے واقعات اس کے دائرہ علم میں ہیں۔ اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ نہ ماضی نہ مستقبل نہ دور نہ نزدیک۔ نہ پوشیدہ نہ ظاہر۔ "پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا وہی مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔" (۲۲۔۵۹)۔ خدا کا علم ماضی یا حال سے متعلق نہیں ہے۔ وہ مستقبل کو بھی اسی طرح جانتا ہے جس طرح عقلِ انسانی حال کو جانتی ہے۔ انسان کا علم ہمیشہ ایک خارجی وجود کا محتاج ہوتا ہے۔ انسانی علم کے لئے ایک موجود کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر خدا کے یہاں یہ بات نہیں ہے کیونکہ اسکا علم حضوری ہے یعنی اس کے لئے کسی موجود کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہر شے اس کے سامنے



ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ ذاتِ خدا غیر از موجودات ہے۔ لیکن وہ موجودات سے باہر نہیں ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ "ماضی اور مستقبل اس کے سامنے حاضر ہیں۔ وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے لیکن کسی وسیلہ اور ذریعہ سے نہیں کہ اگر وہ ختم ہو جائے تو خدا کا علم منفی ہو جائے۔ اس کے اور اس کے معلوم میں کوئی چیز علم از زاید نام کی نہیں ہے۔ صرف اسکی ذات ہے اور بس" قرآن حکیم کا ارشاد ہے: "وہ خشکی اور تری میں (اس کو بھی) وہی جانتا ہے۔ اور کوئی پتہ بھی نہیں گرتا۔ مگر وہ اسے ضرور جانتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ۔ اور نہ کوئی خشک چیز مگر یہ کہ وہ نورانی کتاب میں موجود ہے۔" (۶-۵۶)

یہ حقیقت واضح ہو جانے کے بعد کہ خدا قیودِ زمان و مکان سے بہت بلند ہے۔ تمام موجودات۔ ماضی اور مستقبل اس کے سامنے حاضر ہیں یہ واجب ہو جاتا ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور ہر ایسی لغزش سے پرہیز کریں جو اس کی ناراضگی کا سبب بنے۔ ہم اس خالقِ مطلق اور وحدہٗ لاشریک کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں جس نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر زندگی کے عظیم مراحل سے گزارا ہے۔ اپنی رحمتوں کے سایہ میں بڑی سے بڑی فضیلتوں سے نوازا ہے۔ ہم اس دنیا میں رہ کر اس کے بتائے ہوئے راستوں پر اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ اور ان کے اہلبیت طاہرینؑ کی ہدایات کے مطابق گامزن رہیں اور آخرت کے لئے زادِ راہ فراہم کریں۔ تقوےٰ اور پرہیزگاری۔ خوف رجاء کے درمیان اپنا توازن قائم رکھیں۔ ہم اس پاک پروردگار اس رحیم و کریم قادرِ مطلق سے اپنے انجام کے بخیر ہونے کی دعائیں کرتے ہیں اور اس کے بتلائے ہوئے طریقۂ زندگی پر عمل پیرا رہیں۔

یہ دنیا دار آزمائش ہے جہاں کامیابی حاصل کر لینے کے بعد ہی انسان بہشت بریں کی دائمی راحتوں اور مسرتوں سے ہم آغوش ہو سکتا ہے۔ اور ناکامی کی صورت میں کبھی ختم نہ ہونے والے عذاب علیم میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ یہ زندگی اگرچہ چند روزہ ہے اور یہاں کی ہر چیز مائل بہ فنا ہے مگر یہ مختصر سا وقفہ انتہائی اہم بھی ہے اور نتیجہ خیز بھی۔ بالکل میدان آزمائش یا دار امتحان کی طرح جہاں مدت تو مختصر او سطے شدہ ہوتی ہے مگر نتائج گرانقدر ہوتے ہیں۔ اور جہاں کی کامیابی اور ناکامی انسانی زندگی کے ما حاصل ہیں۔ ہمارے دنیاوی اعمال ہمارے کردار کے آئینہ دار ہیں جن پر ہمارے مستقبل کا انحصار ہے۔ جو کامیابی کی صورت میں روشن اور حوصلہ افزا اور ناکامی کی صورت میں تاریک اور حرماں نصیب انجام کی طرف لے جاتے ہیں۔ جس کی قرآن حکیم نے بڑی وضاحت کے ساتھ تشریح کی ہے۔

"مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہو۔ حالانکہ آخرت میں ہی بقا اور دوام ہے۔ یہی بات پہلے صحیفوں میں درج ہے (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں"

(۸۷-۱۶ تا ۱۸)

یہ دنیاوی زندگی تو کھیل تماشہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اور اگر یہ لوگ سمجھیں تو سمجھیں تو اس میں شک نہیں ہے کہ ابدی زندگی (کی جگہ) تو بس آخرت کا گھر ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھتے" (۲۹-۴۶)



# حیات بعد از موت اور قانون فطرت

علم انسانی کے ابتدائی دور پر نظر ڈالنے کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ وہ ایک فکری اور تدریجی تکاملی دور سے گذرا ہے۔ جس میں اُسے حیات بعد از موت پر یقین رہا ہے۔ اور یہ احساسات اس کے لئے کوئی نئے نہیں ہیں۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ ان کے عقاید پر توہمات کی چھاپ نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں آثار قدیمہ کے مطالعہ اور سیر سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس سلسلے میں ان کا یہ نظریہ کامل یقین کی بنیادوں پر قائم تھا۔

گزشتہ دور کے مدفون میں مُردوں کے ساتھ دفن کئے گئے ان کے آلات اور حربے اس دعوے کی واضح دلیل ہیں کہ یقین تھا کہ انھیں موت کی تاریک سرنگوں سے گزر جانے کے بعد مرنے والے کو ایک ایسی زندگی مل جاتی ہے جہاں پر انھیں ان آلات اور ہتھیار کی دوبارہ ضرورت پڑتی ہے۔ ان کے تصورات۔ افکار اور عقاید مہمل اور غیر واضح ہی سہی مگر حیات بعد از موت پر انکا عقیدہ راسخ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ انسان جس طرح اس دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد دوسری دنیا میں بھی اُسے اسی طرح کی زندگی گزارنی ہوگی۔ اس طرح اس وقت کا انسان بھی اس دنیا سے گزر جانے کے بعد دوسری دنیا کا منظر دیکھ رہا تھا اگرچہ اسلامی عقاید سے بہت دور اور بھٹکا ہوا۔ !! کانگو کے قبیلوں میں جب ان کا بادشاہ مر جاتا تھا تو اس کی قبر پر نوجوان لڑکیاں جمع ہو کر اسباب کے لئے لڑتی تھیں کہ ان میں سے کون فاتح ہو کر اپنے

مرحوم بادشاہ سے مل سکتی ہے۔ یہ جھگڑا کبھی کبھی تو قتل وغارت پر انجام پاتا تھا۔
جزائر فیجی کے باشندے اپنے والدین کو چالیس برس کا ہو جانے کے بعد زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اس کام کے لئے چالیس سال کی عمر اس لئے مناسب سمجھتے تھے کہ یہی عمر کا نصف حصہ ہوتا ہے جب انسان اپنے جسمانی۔ ذہنی اور روحانی لحاظ سے مکمل ترین اور توانا ترین ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ موت کے بعد جب انھیں دوسری زندگی ملے گی تو وہ خود کو مکمل طور سے توانا پا سکیں گے۔ اسی طرح میکسکو کے باشندے اپنے بادشاہ کے ساتھ ان کے مسخروں کو بھی زندہ دفن کر دیا کرتے تھے تاکہ یہ مسخرے اپنے دلچسپ لطیفوں سے بادشاہ کا دل بہلا کر ان کا غم غلط کرتے رہا کریں۔ قدیم یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ انسان مرنے کے بعد فنا نہیں ہو جاتا بلکہ اُسے ایک مخصوص زندگی مل جاتی ہے جہاں پر ان کی ضرورتیں بھی وہی ہوا کرتی ہیں جو اس دنیا میں تھیں۔ ان سارے مشاہدات پر غور کرنے کے بعد یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کے یہ عقاید مبہم اور باطل ہی سہی مگر حیات بعد از موت کا انھیں کامل یقین تھا۔ آج کے دور میں بھی ہر مذہب اور ہر عقیدہ کا ماننے والا حیات بعد از موت کا قائل ضرور ہے خواہ وہ کسی صورت میں ہو۔

آج کے جدید دور میں بھی ہم یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس عالم وجود میں کوئی شے یہاں تک کہ ایک حقیر سا ذرہ بھی مبہم اور بیکار نہیں ہے اور اس پر بھی قانون فطرت جاری ہے کتنے کواکب اور سیّارے پیدا ہوتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں۔ سورج بھی قانون فطرت کے تحت مادہ سے غذا (ایندھن) حاصل کرتا ہے اور یہی غذائی مادہ انرجی (توانائی) میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اور اس طرح ہر ذرہ ایک پوشیدہ توانائی اور انرجی کا حامل ہے اور اس عظیم قانون فطرت کے تحت ہر شے ایک دوسرے سے مربوط ہے۔



لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ پھر انسان موجودہ نظام اور قانون فطرت سے الگ کیوں نظر آتا ہے! وہ مظالم بھی کر سکتا ہے سنگدل بھی ہو سکتا ہے اور محسن بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس کا جواب آسانی سے دیا جا سکتا ہے کہ خدا نے انسان کو عقل اور ارادوں سے مالامال کیا ہے۔ انسان کو خدا نے قوت ارادی۔ ذہن رسا۔ عقل و ادراک دے کر اُسے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ خواہ وہ نیک عمل کر کے اور خواہ بداعمالیاں کر کے زندگی گزارے۔ اگر خدا چاہتا تو انسان کو بھی ان نعمتوں سے محروم کر کے اس کی خلقت کو مجبور محض بنا سکتا تھا اور پھر ہم بھی اس کی دوسری تخلیقات کی طرح اس عظیم کائنات کی مشین کے ایک پرزے ہوتے۔ لیکن انسان کے لئے خدا نے یہ پسند نہیں کیا۔ کیونکہ پھر یہ جبر ہوتا۔ اختیار نہ ہوتا۔!!

یہ دنیا آئندہ پیش آنے والے مراحل کے لئے ایک درسگاہ ہے۔ ایک مختصر سی گزرگاہ مگر یہ راستہ ایک عالمی سچائی کی طرف جاتا ہے۔ یہ مدت قلیل ہے مگر یہ ایک کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی کی نشاندھی کرتی ہے۔ یہ ایک مختصر سا فاصلہ ہے مگر انتہائی نتیجہ خیز۔!! جہاں عدل ہے۔ جہاں اعمال کی جزا بھی ہے اور سزا بھی۔ جہاں اس دنیا میں کئے گئے افعال اور اعمال کا حساب دینا ہے۔

اگر زندگی بعد از موت اور عدل بعد از موت مہمل ہوتے تو ہم اپنے لئے اور دوسروں کے لئے اس دنیا میں کئے گئے عمل کا تقاضہ ہی نہ کرتے۔ مگر یہ ایک عالمی حقیقت ہے کہ۔

"ہر موت کا پوشیدہ تقاضہ ہے قیامت"

اگر حیات بعد از موت میں ہمیں عدالت کا یقین نہ ہوتا تو پھر ہم عدل الٰہی کی پُر یقین امیدوں میں نیک کاموں کے لئے اپنی جان کی بازی کیوں لگاتے۔ ! پھر عدالت آخروی کا جذبہ ہمارے دلوں میں کیسے ہوتا۔ ! کیا ہم کسی ایسے مبہم اور مشکوک نظریہ کا اس حد تک یقین

کرسکتے ہیں کہ اس کے لئے اپنا سب کچھ اور یہاں تک کہ اپنی جان عزیز کی بازی بھی لگا دیتے ہیں۔ ہمیں عدالت الٰہیہ کا یقین اسی طرح ہے جس طرح ایک پیاسے کے لئے وجودِ آب کی دلیل۔

حیات بعد از موت ایک فطری خواہش ہے۔ جس طرح ہماری دنیاوی خواہشات سعیٔ پیہم سے پوری ہو جاتی ہیں اسی طرح ہماری اُن خواہشات کا پورا ہونا بھی فطری ہے جو اس دنیا میں ممکن نہیں ہیں۔ اور جس کے لئے ایک دوسری دنیا کا مان لینا بھی لازماً اور عقلاً قابل قبول ہے۔

ذہن انسانی میں حیات بعد از موت اور اُخروی زندگی کا یقین نہ تو مہمل ہے اور نہ بے بنیاد۔ انسان موت کی طرف گامزن ہے۔ وہ اس دنیا کو چھوڑتا ہے۔ اسکا وجود باقی رہتا ہے اور اس کے ساتھ ایک خواہش بھی اسکے وجود میں باقی رہتی ہے۔ اس کی حیات ابدی حاصل کر لینے کی خواہش اور یہ خواہش اپنے پایۂ تکمیل تک پہنچ جاتی ہے۔ انسان خود حیات ابدی کی ایک جیتی جاگتی اور سچّی مثال ہے۔ حیات ابدی کا یہ فطری شعور خود اسبات کی دلیل ہے۔ خدا جب انسان پر کسی حقیقت کے اظہار کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کا بیج اس کے احساسات میں بہت پہلے ہی داخل کر دیتا ہے جو اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے اور ایک دن ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔ اور اس طرح انسان کے احساسات میں حیات بعد از موت اور آخروی زندگی کی یہ آرزو پوری نہ ہو۔ یہ ناممکن ہے۔!

تمام آسمانی مذاہب میں حیات بعد از موت اور ایک ابدی قیام گاہ کا عقیدہ واضح ہے اس حقیقت کو پیغمبران دین بھی اپنے ساتھ لائے۔ یہاں تک کہ ان کی رسالت



کی بنیادیں اسی عقیدہ پر قائم ہیں۔ کوئی نبی بھی ایسا نہیں آیا جس نے اس زندگی کے بعد ایک دوسری اور ابدی قیام گاہ اور ابدی حیات کی تعلیم نہ دی ہو۔ جس میں انسان کو اس کے اس دنیا میں کئے گئے ثواب اور عقاب کے مطابق جزا یا سزا نہ ملے۔

خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ اسی لئے وہ اس کی خلقت کی ابتدا میں ہی حیات بعد از موت اور حیات ابدی کا احساس اس کے ضمیر میں داخل کر دیتا ہے۔ اپنی رحمت کی تکمیل کے لئے اس نے انبیاء کرام کو آسمانی کتابوں کے ساتھ اسی لئے بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو دنیا میں کامیاب اور کامران زندگی گزارنے کے طریقے بتلائیں۔ انھیں خواہشات نفسانی کے عیوب سے آگاہ کرتے رہیں۔ انھیں گمراہی۔ دنیاوی اور خواہشات نفسانی کی رغبت۔ خودسری۔ ظلم و غضب کے گناہوں سے بچنے کی تعلیم دیں۔ ان کی رہبری کریں۔ تاکہ انسان دنیاوی ہلاکت خیزیوں سے بچ کر آگے بڑھ سکے اور عروج کی بلند ترین منزلوں تک پہنچ سکے۔

# حیات بعد از موت اور علمِ جدید

حیات بعد از موت کے متعلق دورِ حاضر کے سائنسداں اور علوم جدید کے محققین اور مفکّرین انتہائی اہم حیرت انگیز اور قابلِ قبول نظریات قائم کر رہے ہیں. اور اس میدان میں قابلِ قدر پیش رفت ہو رہی ہے۔ مادّہ اور تخلیق کے سلسلے میں دورِ حاضر کے مفکّروں اور سائنسدانوں نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ انسانی جسم کے از سرِ نو تعمیر ہو جانے کے امکانات قوی ہیں۔ اور وہ سب حیات بعد از موت کے نظریہ سے قابلِ قبول حدوں تک متفق ہو چکے ہیں جو انتہائی حوصلہ افزا ابتدا ہے۔ اور آج کے دور میں یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ علوم جدید کی ترقی کے ساتھ ساتھ حیات بعد از موت کے رموزِ پوشیدہ سے پردہ اٹھتا جا رہا ہے۔

دورِ حاضر سے پہلے کے علماء اور محققین حیات بعد از موت کے موضوع پر نہ تو غور کرتے تھے اور نہ ان کا دائرۂ علم ہی اس قدر وسیع تھا جسے وہ بروئے کار لا سکتے۔ اسی لئے نہ تو وہ اس پر غور کرتے تھے اور نہ غور کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی پختہ بنیاد ہی تھی۔ اور اسی لئے وہ اس حقیقت کی ایک سرے سے نفی کر دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جو کچھ ہے وہ بس یہی زندگی ہے۔ اور اس کے بعد دوبارہ زندگی ناممکن ہے۔ نہ تو وہ نظریۂ حیات بعد از موت کو کسی طرح کا علمی یا تحقیقی مسئلہ بنانا چاہتے تھے اور نہ اس سلسلے میں کسی کاوش کو علمی بنیاد پر قائم ہی کر سکتے تھے۔

آج جدید سائنس کے تجربات اور جدید علوم کی تحقیقات نے یہ بات ثابت کردی



ہے کہ اگر کسی مادّہ پر کوئی عمل کیا جائے تو اس کے نتیجہ میں مادّہ اپنی شکل ضرور بدل دے گا مگر اس تبدیل شدہ مادّہ کے عناصر نہ ختم ہوں گے اور نہ معدوم ہوں گے۔ مادّہ کی محض شکلیں ہی بدلتی رہتی ہیں آج ہم جن چیزوں کو دیکھتے ہیں وہ انہیں مادّوں کی بدلی ہوئی شکلیں ہیں اور ان شکلوں میں بھی ایسے خواص ہیں جو آگے چل کر کسی عمل کے تحت دوبارہ دوسری شکلوں میں بدل سکتے ہیں پھر تیسری میں اور اس طرح مادّہ بے شمار شکلیں اختیار کر سکتا ہے مگر اصل مادّہ میں نہ تو کوئی کمی واقع ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی۔ اور اس طرح یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وجود کبھی ختم نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف شکلیں بدلتا رہتا ہے۔ اور مادّہ کے یہ تغیرات اور تبدیلات اسے کبھی فنا نہیں کر سکتے۔

درختوں سے مرجھا کر گرا ہوا پھل۔ ٹہنیوں سے سوکھ کر گرا ہوا پتا۔ بلوں اور فیکٹریوں سے جل کر نکلا ہوا دھنواں۔ راکھ اور کوئلہ۔ یہاں تک کہ سگریٹ کی تمباکو سے جل کر نکلا ہوا دھنواں کبھی معدوم نہیں ہوتا۔ اور صرف اپنی شکلیں بدلتا رہتا ہے۔ اگر آج ہم ایسے آلات اور ذرائع مہیا کر سکیں تو ان چیزوں کو دوبارہ ان کی اصلی حالت پر واپس لا سکتے ہیں۔ اسی طرح دنیا جانتی ہے کہ انسانی جسم مٹی میں دفن ہو کر۔ آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر مٹی ہو جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یہ مادّی جسم بھی ہر طرح کے تغیرات اور تبدیلات کا مستوجب ہے اور اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ یہ نہ تو اپنا وجود کھوتا ہے اور نہ کبھی معدوم ہوتا ہے۔ بلکہ دوسری مادّی اشیاء کی طرح یہ بھی ان سب سے متاثر ہوتا ہے۔ نہ تو کبھی اس کا وجود ختم ہوتا ہے اور نہ اس کی ذات میں کوئی کمی واقعہ ہو پاتی ہے۔ اور اس کا ابتدائی وجود انسان ہی ہوتا ہے جسے خالق مطلق نے پہلی بار بنایا ہے۔ وہی مادّوں کا مجسمہ۔ وہی وجود پیکر۔ وہی خلیوں اور سیلز

کا مجموعہ۔

یہ حقیقت آج کے دور کی میڈیکل سائنس بھی ثابت کر چکی ہے کہ جو چیز وجود میں آگئی اسکو کبھی فنا نہیں ہے۔ مادہ نہ تو فنا ہوتا ہے اور نہ کسی نئے مادہ کا وجود ہوتا ہے۔ عنوان سے الگ نہ ہوگا اگر اس سلسلے میں امام جعفر صادقؑ کے اس علمی نظریہ کو پیش کیا جائے کہ "جو چیز وجود میں آگئی وہ کبھی فنا نہیں ہوتی"۔

اس حقیقت کو ہر ذہن تسلیم کرتا ہے کہ جسم انسانی مٹی سے بنا ہے جو قانونِ فطرت کے تحت اپنے خلئے Cells تبدیل کرتا ہوا ایک دن موت سے ہم آغوش ہو کر ایک بار پھر مٹی ہو جاتا ہے۔ جسدِ انسانی بھی اپنے اندر ان تمام تغیرات اور تبدیلات کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر نہ تو وہ کبھی اپنا وجود کھوتا ہے اور نہ معدوم ہوتا ہے نہ اسکی ذات میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کہ مٹی ہو جانے کے بعد بھی وہ نت نئی شکلوں میں عود کرتا رہتا ہے کبھی پھولوں اور پھلوں کی شکلوں میں اگر انسانوں اور جانوروں کا لقمہ بنتا ہے۔ تو کبھی خاک میں مل کر دوبارہ مٹی بن جاتا ہے۔ مگر اس کا وجود کبھی فنا نہیں ہوتا۔ اس کا جوہر (تخم لازوال) ابدی ہوتا ہے۔ جس کا ذکر اس کے محل پر آئے گا۔ اور اس طرح انسان کی ابدیت ہر حال میں مسلّم اور ثابت ہے۔

حد تو یہ ہے کہ ہمارے نیک اعمال کے نتیجے میں اٹھتی ہوئی شعاعی لہریں۔ ہمارے بداعمالیوں سے منتشر ارتعاشی ترنگیں بھی کبھی زائل نہیں ہوتیں اور یہ سب فضائی لہروں میں دائمی شکلوں میں باقی رہتی ہیں۔ اور طریقۂ قدرت اور نظامِ فطرت کے تحت لافانی فضائی ریکارڈ میں محفوظ رہتی ہیں۔ جنہیں وقت معینہ پر مالکِ حقیقی کے سامنے ابدی ثواب یا دائمی عذاب کے لافانی ریکارڈ کی طرح پیش کر دیا جائے گا۔



اب جب کہ انسان نے اس سلسلے میں یہاں تک پیش رفت کر لی ہے تو کیا وہ خدا جو خالق علم اور عقل و ادراک ہے انسانی اجساد کے منتشر ذرات اور خلیوں کو دوبارہ وجود میں لاکر ایک بار پھر زندہ نہیں کر سکتا۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

"ہم نے اسی زمین سے تمہیں پیدا کیا۔ اور مرنے کے بعد اسی زمین میں لوٹا کر لائیں گے۔ اور اسی سے دوسری بار (روز محشر) تمہیں نکال کھڑا کریں گے"۔ (۲۰۔۵۵)

اس آیت کے انداز بتلا رہے ہیں کہ موت کے بعد انسان اپنا وجود نہیں کھوتا بلکہ اس کا جوہر لافانی ہے خاک میں مل کر بھی دوبارہ زندہ ہو اٹھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس طرح خالق مطلق ایک عظیم امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ کہ انسان اپنے وجود پر غور کرے۔ علم کی رہبری میں حقیقت شناس ہو۔ اور خدا کی عظیم خلاقی کا احساس کرلے۔ وہ اپنے وجود کو موت کے بعد معدوم ہو جانے پر نہ تو متوحش ہو اور نہ متردد۔ انسان کا مادی جسم کبھی فنا نہیں ہوتا۔ اس کی محض شکلیں اور ترتیبات بدلتی رہیں گی۔ دوسرے مادوں کی طرح اور پھر ایک دن اُس خالق مطلق کے قوت کاملہ کے تحت یہ سارے متغیر اور منتشر اجزاء اور اعضاء ایک بار پھر اکٹھا ہو کر اپنی ابتدائی انسانی شکل و صورت میں اسی طرح حاضر ہوں گے جس طرح وہ موت سے پہلے تھے۔

ابی بن خلف کا واقعہ تمام تاریخوں اور احادیث میں نقل ہوا ہے جب وہ ایک بوسیدہ اور خاکستر ہو رہی ہڈی کا ایک ٹکڑا لئے ہوئے رسولؐ کے حضور میں آیا اور اسکو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑاتے ہوئے بولا کہ اس سڑی ہوئی اور خاک شدہ ہڈی کو دوبارہ کون زندہ کر سکتا ہے۔ ظاہری حالات بھی کچھ ایسے ہی تھے کہ اس کی بات مدلل لگ رہی تھی اور اسکا خیال تھا کہ اپنی اس عملی دلیل کے ذریعہ سے وہ نظریۂ حیات بعد از موت کو

ہڈی کے خاک شدہ ذرّات کی طرح ہوا میں اڑا چکا ہے مگر قرآن حکیم نے انتہائی مدلل ڈھنگ سے اس کا جواب دیا جو ہر ذی عقل اور ذی ہوش دانشور کے لئے قابل قبول ہے۔

"(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ اسکو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو (جب وہ کچھ نہ تھے) پہلی بار پیدا کیا۔ وہ (خدا) ہر طرح کی پیدائش سے واقف ہے جس نے ہمارے واسطے ہرے درخت سے آگ پیدا کر دی۔ پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو۔ (بھلا) جس (خدا) نے سارے آسمان اور زمین پیدا کئے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان کو دوبارہ پیدا کر دے۔ (ہاں ضرور قادر ہے)۔ وہ تو پیدا کرنے والا واقف کار ہے۔" (۳۶۔ ۷۹ تا ۸۱)۔ یہ آیات ہر ذی عقل و ہوش کے لئے دعوتِ غور و فکر ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی اس عظیم اور عقلوں میں نہ آنے والی کائنات کے پیش نظر انسان کا دوبارہ پیدا کر دینا اس کے لئے زیادہ آسان ہے۔ لازم ہے کہ انسان خدا کی پیدا کی ہوئی اس مخلوق۔ مادّوں کی بتدریج بدلتی ہوئی شکلوں اور ان کی تکوینی منزلوں پر غور کرے تاکہ وہ خود اس حقیقت کو سمجھ سکے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ قرآن کی ان حکیمانہ آیات پر غور کرے جو حیات بعد از موت کی طرف رہبری کر رہی ہیں۔

"لوگوں کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے ہیں (ہرگز نہیں) مگر یہ لوگ از سرِ نو (دوبارہ) پیدا کرنے کی نسبت شک میں ہیں۔ (۵۰۔ ۵۱)۔

خدا کی قدرت کاملہ پر یقین نہ رکھنے والے یہ سوال بھی کر سکتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسانی جسم کے اجزاء جب خاک ہو کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے تو کیا دوبارہ اکٹھا ہو کر زندہ ہو سکے گے۔ اس کا ایک مدلل جواب تو یہی ہو سکتا ہے کہ وہ خالق یکتا اور قادرِ مطلق جو انسان کو اس وقت پیدا کر سکتا ہے جب نہ تو اسکا کوئی وجود تھا اور نہ



کہیں اس کے اجزا تھے تو اس کے لئے ان منتشر اجزا کا دوبارہ اکٹھا کر کے زندہ کر دینا زیادہ آسان ہے۔ وہ اجزا خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ پہنچ گئے ہوں۔ مگر ان کا دوبارہ اکٹھا کر دینا اس کے لئے آسان ہے۔ اس کی قدرت لامحدود ہے۔ اس کی خلاقی بے مثال ہے۔ وہ ہر طرح کے پیدا شدہ مخلوق سے خوب واقف ہے اور مرنے کے بعد ان کے منتشر اجزاء سے بھی خوب واقف ہے اور انھیں اپنی پہلی حالت میں واپس لانے پر قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔

"کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ جمع نہ کریں گے (ہاں ضرور کریں گے) ہم اس پر قادر ہیں کہ انکے پور پور درست کر دیں (۷۵۔ ۳تا۴)

اس کائنات پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں کی ہر چیز رُوبہ حرکت و عمل ہے۔ مادّہ کو نہ تو قرار ہے اور نہ ثبات۔ یہ کاروانِ حیات ہر حال میں رواں دواں ہے۔ کبھی تو موسم خزاں میں ہر طرف موت کا سا سناٹا چھایا ہوتا ہے۔ درختوں کے پتّے جھڑ جاتے ہیں۔ اشجار مُرجھا جاتے ہیں۔ اور ایسا لگتا ہے جیسے مردہ نباتات کا ایک مقبرہ ہے۔ ہر طرف دور تک پھیلا ہوا مرجھائے ہوئے درختوں کا ایک قبرستان۔ ایک شہرِ خموشاں۔ ہر طرف ایک سناٹا۔ ایک ہو کا عالم۔ پُرہول ہواؤں کے جھکڑ۔ اور بے شمار چڑیلوں کی چیخ جیسی آوازیں۔!! سسکیاں لیتی ہوئی شام کی بڑھتی ہوئی تاریکیاں!! مگر پھر موسمِ بہار میں یہی شہرِ خموشاں۔ یہی مردہ اور مرجھائے ہوئے نباتات کا قبرستان ایک بار پھر شاداب ہو جاتا ہے۔ درختوں میں نمو آ جاتی ہے۔ سبزے لہلہانے لگتے ہیں۔ شاخیں اور ڈالیاں پھولوں اور پھلوں سے لد جاتی ہیں۔ زمین کی قوتِ نمو بیدار ہو جاتی ہے۔ مدّتوں کی سوکھی اور بظاہر مائل بہ فنا بیجوں میں قوت نمو بیدار ہو جاتی ہے۔ سبزے

اُگنے لگتے ہیں اور زمین پر تاحدِ نظر سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگتا ہے اور پھر ایک دن یہی مُردہ زمین۔ یہی شہر خموشاں اٹھکھیلیاں کرتا ہوا چمن زار بن جاتا ہے۔ ہر شے میں ایک نئی روح بیدار ہو جاتی ہے۔ اور یہ حیات بعد از موت کی ہی ایک زندہ مثال ہے۔ مگر اہلِ نظر کے لئے۔ اہلِ ہوش و گوش کے لئے اور اُن ذہنوں کے لئے جنہیں قدرت کی صناعی کو سمجھنے اور انکا مطالعہ کرنے کی توفیق ہو۔ ایسے باتوفیق لوگ پکار اٹھتے ہیں۔

"برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار۔ ہر ورق اک دفتر ایست معرفتِ کردگار"

قادرِ مطلق ایسے حق شناسوں کو علم و ادراک سے نوازتا بھی رہتا ہے اور انھیں دیکھ کر اہلِ علم۔ اہلِ ذوق اور اہلِ تحقیق و تجسس کی رگِ تلاش و جستجو بیدار ہو اٹھتی ہے۔ مگر نافہم اور محتاجِ اذہان نہ تو قدرت کے ان تولیدی اور عالمانہ اشاروں کو سمجھ ہی سکتے ہیں اور نہ نااہل ان سے کچھ حاصل ہی کر پاتے ہیں اور ہمیشہ کی طرح مہمل اعتراضات اور بے بنیاد استدلال دیا کرتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ اہلِ علم اور تحقیق تجسس کے دلدادہ اور متلاشی ان ہر سال پیش آنے والے مشاہدات سے حیات بعد از موت کا ایک خاکہ ذہن میں کھینچ سکتے ہیں اور اپنے چاروں طرف بکھرے ہوئے قدرت کے صفحات کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ کل تک یہ درخت اور یہ نباتات خشک تھے۔ یہ زمین مُردہ تھی اور یہ سب اس لئے تھا کہ اس وقت کے اسباب اور حالات ہی ان کے لئے سازگار اور موافق نہیں تھے جنہوں نے ان کی روئیدگی اور حرکت و عمل کو روک دیا تھا ان میں آثارِ حیات معدوم ہو چکی تھی۔ اس وقت کا نظامِ قدرت ہی کچھ ایسا تھا جس سے ان کی زندگی کو تلف اور ذوقِ نمو کو معدوم کر رکھا تھا مگر حالات زندگی کے دوبارہ سازگار ہو جانے اور زندگی کے سارے اسباب مہیا



ہو جانے کے بعد ان میں ایک بار پھر زندگی انگڑائیاں لینے لگی۔ ذرا غور فرمائیں حیات بعد از موت کے لئے یہ نباتات کتنے پختہ گواہ اور کتنی مثبت دلیل ہیں۔ اور اگر ان حیاتِ انسانی سے کمتر اور پست حیثیت نباتات میں ممات بعد از موت کے دلائل مخفی ہیں پھر یہ قوانین فطرت انسان کے لئے قابلِ قبول کیوں نہیں ہو سکتے۔ کیا اس کے بعد بھی کسی دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ اس نظریہ کے عالمانہ اور محققانہ دلائل کتاب کے باب "قیامت کا پس منظر" میں وضاحت کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ جو دنیاوی اور دینی علوم سے مربوط اور ہم آہنگ ہیں۔

نباتات کا بے حس اور مُردہ بیج جو مدت دراز تک زیرِ زمین ساکت اور بیجان رہ کر بھی اپنی جوہر نمو کو زائل نہیں کرتا۔ اور مدتوں مٹی میں دَبا رہ کر بھی حالات کے سازگار ہو جانے اور مناسب نمی اور اشیائے حیات مہیا ہو جانے کے بعد ایک بار پھر قابل نمو ہو جاتا ہے اور زمین کا سینہ چاک کر کے پودا اگ آتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی زمین میں دفن ہو جانے اور مدت زمانہ کے ساتھ ساتھ مٹی ہو جانے کے بعد بھی اپنا "تخمِ لازوال" اپنا جوہر حیات نہیں کھوتا اور باقی رہ جاتا ہے وہ ایک بار پھر حالات سازگار ہو جانے پر قوانین فطرت کے تحت زندہ انسان کی شکل میں روزِ حشر اٹھ کھڑا ہوگا۔

زندگی ایک رازِ مخفی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عالمی حقیقت ہے۔ زندگی ایک لازوال سچائی ہے۔ یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس کی تردید تو کیا ہو پاتی ہاں علم کے فروغ اور اسکے روبہ تکمیل ہونے کے ساتھ ساتھ اسکے حقائق اور بھی واضح ہوتے جا رہے ہیں۔ دورِ حاضر کے محققین اور دانشوروں نے کچھ ایسے جرثوموں کو معلوم کیا ہے جنہیں موجودہ دور کے الیکٹرانک خورد بینوں سے بھی دیکھا نہیں جا سکتا۔ حالانکہ یہ ایسے طاقتور خوردبین

ہیں جو کسی چیز کو اسکے ایک کروڑ درجہ تک بڑی کر کے دکھلا سکتے ہیں. اس قدر چھوٹے ہونے کے باوجود ان میں زندگی بھی ہے اور حرکت وعمل بھی تو پھر تخم انسانی "تخم لازوال" میں پوشیدہ حیاتی سالمات کو کیونکر دیکھا جا سکتا ہے. اس سے بھی دشوار ہے ان لازوال جرثوموں کا دیکھنا جن کے ذریعہ سے انسان اپنے والدین اور اجداد کے موروثی صفات اور عادات کا حامل ہوتا ہے. قرآن حکیم کا ایک واضح اشارہ حیات بعد از موت پر غور وفکر کرنے اور تحقیق و دریافت کے لئے نئے نئے باب کھول دیتا ہے.

"اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا تو اس سے باغ (درخت) اگ آئے اور کھیتی کا اناج لمبی لمبی کھجوریں جن کا خوشہ باہم گتھا ہوا (یہ سب) بندوں کو روزی دینے کے لئے پیدا کئے. اور پانی سے ہی ہم نے مُردہ شہروں (بنجر زمینوں) کو زندہ کیا. اسی طرح قیامت میں (مردوں کو) نکلنا ہوگا." (۵۰۔۹ تا ۱۱).

غور کرنے کی بات ہے کہ جب انسان بہت سے نظر نہ آنے والے جرثوموں اور غیر مرئی مخلوقات کو نہیں دیکھ سکتا تو "تخم لازوال" میں پوشیدہ زندگی کے جوہر کو کیسے دیکھ سکتا ہے. اور زمین کے اندر لاکھوں اور کروڑوں برسوں سے انسانی خاکستر کے اندر چھپی ہوئی تخم لازوال کی حقیقت کا ادراک کیسے کر سکتا ہے جس کے اندر زندگی مچل رہی ہے. تخم لازوال جس میں ایک زندہ خلیہ اسی طرح پوشیدہ ہے جس طرح اپنی خلقت کی ابتدا میں وہ محض ایک خلیہ تھا.

یہ ایک ایسی عالمی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا. مشہور دانشور اور میڈیکل ڈاکٹر. ایلکس کارل DR ELEXIE CARL جنین کے خلیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ انسانی جسم پہلے ایک خلیہ ہوتا ہے. جو دو خلیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے.



پھر دو کا چار. چار کا آٹھ. آٹھ کا سولہ. اسی طرح یہ کثرت بڑھتے بڑھتے ایک مکمل انسان کی شکل اختیار کر لیتی ہے. اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابتدا میں ایک خلیۂ واحد ہی ہوتا ہے جو اپنے اندر تمام اجزاء انسانی محفوظ رکھتا ہے. یہاں تک کہ اسکی آنکھ. ناک. کان. زبان اور یہاں تک کہ اسکے رنگ نسل. قیافہ. اور اطوار تک اس میں پوشیدہ ہوتے ہیں. ساتھ ہی ساتھ یہ بیجان مٹی بھی ان صفات کی حامل ہوتی ہے اور درختوں کی روئیدگی. شاخوں ٹہنیوں. پھولوں. پھلوں کا جزو بنتی رہتی ہے. حضرت علیؑ کا یہ ارشاد بھی اسبات کی واضح دلیل ہے.

"مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو پہلی پیدائش کو دیکھتے ہوئے آخری پیدائش کا انکار کرتے ہیں." (نہجہ البلاغہ) ساتھ ہی ساتھ ایک عظیم حقیقت سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے کہ انسان کو غذائیت مختلف کھانوں اور مشروب سے ملتی ہے. جس میں گوشت. بناتات سبزیاں اور پھل سبھی کچھ شامل ہیں. یہ غذائیں انسان کے جسمانی ضروریات کو پورا کرتی ہیں. انھیں غذاؤں اور بناتات وغیرہ سے خون تیار ہوتا ہے. اور نطفہ اسی خون کے جوہر کا نام ہے. اور اس طرح یہ جوہر انسانی درحقیقت مٹی سے ہی عطا ہوتا ہے. اور اس طرح اسکا خلیۂ اوّل مٹی کا ہی خالصہ ہے. جس کا خالق مطلق نے اپنی کتاب حکمت آیات" میں ذکر کیا ہے. اور یہ ایک عظیم علم کی طرف اشارہ ہے.

"اور ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر (خالصہ) سے پیدا کیا اور مرنے کے بعد اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ (روز حشر) تمہیں نکال کھڑا کریں گے." (۵۵۔۲۰)

ان تمام حقائق پر علم جدید کی روشنی میں غور کرنے کے بعد. یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ جس طرح خالق مطلق ایک خلیہ سے جو آنکھوں سے دیکھا بھی نہیں جا سکتا

کروڑوں خلیوں، ہڈیوں گوشت اور پوست میں تبدیل کر دیتا ہے یہاں تک کہ سارے اعضاء رئیسہ بھی محفوظ ہوتے ہیں وہ خداوند علیم و حکیم اسباب پر بھی قادر ہے کہ ان متفرق اجزاء کو اسی ایک خلئے (تخم لازوال) سے دوبارہ پیدا کر دے جو اسکے لئے پہلی اور ابتدائی خلقت سے زیادہ آسان ہے۔



# حیات بعد از موت اور عدل الٰہی

دنیاوی عدل پر غور کرنے کے بعد نتائج آسانی کے ساتھ نکالے جاسکتے ہیں کہ اس دنیا میں انسان کو نہ تو اسکے کئے ہوئے نیک اعمال کی خاطر خواہ جزا مل پاتی ہے اور نہ بدکاروں کو ان کی بدکرداریوں کی مناسب سزا ہی مل پاتی ہے۔ یہاں تک کہ مجرم اور ظالم آقا اور حکام جنہوں نے عالم انسانیت پر انتہائی مظالم ڈھائے۔ ان کی حرمتوں کو پامال کیا۔ ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے مگر نہ تو انھیں آخیر تک قانون ہی اپنی گرفت میں لے سکا اور نہ کوئی دنیاوی عدالت ہی انھیں کوئی سزا دے سکی۔ یہاں تک کہ ان پر نہ تو فطرت کا کوئی ردعمل ظاہر ہوا اور نہ کوئی دنیاوی طاقت انھیں مورد الزام ٹھہرا سکی اور وہ اسی طرح بے ضرر اور بلا کسی تکلیف کے اس دنیا سے کوچ بھی کر گئے اسی طرح مظلوم انسان مظالم کی چکی میں پستے پستے مر گئے اور آخیر تک نہ تو ان کی فریاد ہی سنی گئی اور نہ فطرت نے ہی انھیں خاطر خواہ سہارا دیا۔ مشاہدہ میں یہ باتیں بھی آئی ہیں کہ اکثر ظلم کے خلاف انقلابات بھی آئے مگر وہ کبھی کامیاب رہے تو کبھی ناکامیاب اور اکثر مجاہدین بدعنوانیوں اور مظالم کا مقابلہ کرتے کرتے موت سے ہم آغوش ہوگئے اور اس طرح اگر ان ظالموں اور مظلوموں کا نامۂ اعمال اسی دنیاوی زندگی اور موت کے ساتھ بند کر دیا جائے اور ان کا عذاب اور ثواب ہمیشہ کے لئے قبروں میں دفن کر دیا جائے تو پھر عدل الٰہی اور انصاف رب العالمین کہاں رہا۔ اگر خدائے قادر اور قوی کے یہاں جس کی ایک صفت عادل بھی ہے ان تحریکوں پر عدل نہ ہو

تو اسکے عدل پر آنچ آتی ہے جو اسکے لئے بعید ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مظلوموں پر جو بھی مظالم ہوتے ہیں یا جنہیں ان کے جائز حقوق سے محروم کیا جاتا ہے اس میں خدا کی براہ راست کوئی شرکت نہیں ہوتی۔ لیکن ظالموں اور غاصبوں کو ان کی دنیاوی زندگی میں یوں آزاد چھوڑ دینا بھی خلافِ عدالت ربانی ہے۔ جس کے لئے حیات بعد از موت لازمی اور ایک تسلیم شدہ امر ہے۔

حیات بعد از موت اس نقطۂ نظر سے بھی اہم ضروری ہے کہ کچھ مجرموں کے جرائم اتنے شدید اور زبردست ہوتے ہیں جس کی سزا ان کی (پائی) دنیاوی اور محدود زندگی میں ملنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ سزا جرم کی مناسبت سے ہی ہونی چاہیئے اور یہی تقاضائے عدل بھی ہے۔ ایک ایسا مجرم جس کا مقصد ہی کمزوروں کو پامال کرنا ہے۔ ناداروں اور بے سہاروں پر اپنے دنیاوی مفاد کے لئے ناجائز دباؤ ڈالنا ہی ہو مجبور انسانوں کا قتل کرنا ہی ہو۔ جن کا مقصد ہی لوٹ مار اور غارت گری کرنا ہو۔ جن پر ہزاروں سے بے گناہوں کا خون ہو۔ جو اپنی خواہشات نفسانی کی آسودگی کے لئے ہزاروں بے گناہوں کو ذبح کرتا ہو۔ اور ان سب کے بعد بھی وہ اس دنیا کو اپنے لئے بہشت جیسا ہی پاتا ہو یا اگر یہ مان لیا جائے کہ اسے اپنے جرائم کی پاداشت میں پھانسی بھی دے دی جائے تو کیا یہ سزا اسکے ان بے شمار قتل و غارت گری کا بدلہ ہوسکتی ہے۔ جن کا مرتکب وہ ہوچکا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے ان تمام مظالم اور دہشت گردی کی سزا محض ایک بار اس کی زندگی چھین لینے سے تو پوری نہیں ہوسکتی اور نہ دنیاوی عدالت میں ایسی کوئی سزا ہوسکتی ہے جو اسکے جرائم کا بدلہ ہوسکے اور اس کی لوٹ مار اور غارت گری کا عملی طور سے مواخذہ کرسکے۔

اسی طرح مظلوموں کو ان کی مسلسل صبر و برداشت کا مکمل اجر و ثواب بھی اس دنیا



میں نہیں دیا جاسکتا۔ اس پر غور کرنے کے بعد یہ حقیقت ہر ذی فہم کی سمجھ میں آجاتی ہے کہ دنیاوی سزا یا جزا چاہے کتنی بھی بڑی کیوں نہ ہو ان کے تمام اعمال کا بدلہ نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح جس محقق یا مصنف نے اپنے علمی اور تحقیقی خزانوں سے بے شمار انسانوں کو فائدہ پہنچایا اُسے اپنی کاوشوں کی اسی دنیا میں جزا نہیں دی جاسکتی یا جس شخص نے اپنی تمام زندگی کارِ خیر۔ عبادتِ الٰہی اور خدمتِ خلق میں گزاری ہو یہاں تک کہ اپنے نیک مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنی جان عزیز بھی قربان کر دی ہو تو کیا اس کو اپنی ان تمام قربانیوں کی جزا اس دنیا میں دینا ممکن ہوسکتا ہے۔

یہ عدلِ الٰہی ہی ہے جو ساری کائنات پر حاوی ہے۔ جو ایک ذرۂ ناچیز سے لے کر عظیم اجرام فلکی تک جاری ہے خدا کا یہ نظام اس قدر جامع اور مکمل ہے کہ اگر اس میں کا ایک ذرہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو پھر سارا جذب باہمی ہی درہم برہم ہوجائے۔ اور یہ کائنات فنا کی تاریکیوں میں گم ہو جائے۔ انسان خود بھی اس نظامِ قدرت کی ایک اہم کڑی ہے اس لئے یہ بات سوچنا ہی غلط ہے کہ وجودِ انسانی اس مدبر کے نظام سے الگ ہے اور ہٹ کر ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ انسان کو خدا نے عقل سلیم اور بیدار ضمیر دے کر آزاد چھوڑ دیا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ وہ دین اور آئین سے مستثنا کر دیا گیا ہے۔ اس کو بھی ایک دن عدالتِ الٰہیہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ جو اس حقیقت کا منکر ہے وہ نظام کائنات کے اصولوں سے بے خبر ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ تمام گنہگاروں اور مجرموں کو ان کے بداعمالیوں کی سزا اسی دنیا میں دینا ممکن نہیں ہے۔ ہاں بعض حالات میں کچھ مجرموں کو اس دنیا میں کچھ سزائیں ضرور مل جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی بداعمالیوں پہ بدنما داغ بھی بن جاتی ہیں۔ وہ

انجام کی تلخیوں کا بھی کچھ مزہ چکھ لیتے ہیں اور اس دنیا میں مبتلائے عذابِ الٰہی ہو کر موت کے شکنجوں میں پھنس جاتے ہیں جیساکہ قرآن میں آیا ہے۔

"خدا نے انھیں رسوائی کی لذت دنیا میں ہی چکھا دی اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کاش یہ لوگ اسباب کو جانتے۔" (۳۹۔۲۶)

جرائم کی سزا ایک دنیاوی ضرورت ہے جو ہر صورت میں ملنی ہے۔ دھنواں کا ظہور کسی آگ کا نتیجہ ہی ہوا کرتا ہے۔ کسی کسی گناہ کا عذاب مدتوں بعد ظاہر ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے۔ کیونکہ وہ گناہ کا لازمہ ہے۔ جرم اور سزا ایک ہی درخت کی دو ٹہنیاں ہیں اور سزا ایک ایسا پھل ہے جو ان میں دفعتاً پھوٹ آتا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

"ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ رہن ہے۔" (۷۴۔۳۸)

بُرائیوں کا ردِّعمل اسباب کا شاہد بھی ہے اور گواہ بھی کہ خداوند عادل ظلم اور فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور نہ وہ اس پر کبھی راضی ہو سکتا ہے۔ اور ہر فسادی کو عالمِ آخرت میں انصافِ خداوندی کے مطابق سزا ملنی ضروری ہے۔



# عَدلِ الٰہی اور جبر

بات عدلِ الٰہی آ گئی ہے تو لگے ہاتھوں نظریہ عدلِ الٰہی اور جبر پر بھی ایک اجمالی نظر ڈال جائے۔ مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ میں یہ عقیدہ رائج ہے کہ انسان اپنے اعمال اور افعال میں مجبورِ محض ہے۔ ان کا نظریہ ہے کہ انسان کے پاس ارادہ بھی ہے۔ عقل بھی ہے اور قدرت بھی ہے مگر اس کے افعال پر ان سب کا کوئی اثر نہیں ہے اور وہ کاموں کے انجام دینے کا ایک آلہ ہے جسے قدرت اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتی رہتی ہے۔ اس سلسلے میں انکی ایک دلیل یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر ہم انسان کو اپنے اعمال اور افعال کا مالک اور مختار مان لیں اور اُسے اپنے اچھے اور بُرے کاموں کے لئے واحد مختار مان لیں تو اس نظریہ کے تحت ہم خدا کے دائرۂ قدرت کو محدود کئے دے رہے ہیں۔ جب کہ قرآن حکیم مندرجہ ذیل آیات میں اس کی تردید کر رہا ہے۔

"اور کہہ دو کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے آ چکا ہے۔ اب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کافر ہو جائے۔" (۱۸۔۲۹)

"دین میں کسی طرح کا جبر نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے الگ واضح ہو چکی ہے۔" (۲۔۲۵۶)

"جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہے وہ اسے پائیگا۔ اور جس نے ذرہ برابر بھی بُرائی کی ہے وہ اسے دیکھے گا" (۹۹۔۸)۔ اِن آیاتِ قرآن کے پیش نظر بھلا کون مومن اور مسلمان صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل احادیث کو قبول کر سکتا ہے جس میں مروی ہے کہ خدا بندوں کے اعمال اور افعال اسکی پیدائش کے قبل ہی مرقوم کر دیتا ہے۔

"روایت ہے کہ آدمؑ اور موسیٰ میں حجت ہوگئی تو موسیٰ نے فرمایا کہ اے آدم آپ ہمارے باپ ہیں لیکن آپ نے ہمیں مصیبت میں گرفتار کیا اور جنت سے نکلوادیا جناب آدم نے جواب میں فرمایا۔ اے موسیٰ خدا نے تمہیں اپنے کلام کے لئے منتخب کیا اور اپنے ہاتھ سے تمہارے لئے لکھا۔ کیا تم اسبات پر مجھے ملامت کرتے ہو جو خدا نے میرے لئے میری خلقت سے چالیس سال قبل ہی مقدر کردی تھی"۔ (صحیح بخاری جلد ۷ صـ۲۱۴۔ صحیح مسلم جلد ۸ صـ۴۹)

اسی طرح صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں روایت ہے "تم میں سے ہر ایک کی خلقت اس طرح ہوتی ہے کہ نطفہ اپنے ماں کے بطن میں چالیس روز رہتا ہے۔ پھر علقہ (گوشت کا لوتھڑا) بن جاتا ہے۔ پھر اس حالت میں چالیس روز رہتا ہے اور اس کے بعد مضغہ (گوشت کا ایک ٹکڑا) بن جاتا ہے۔ اور چالیس روز اسی حالت میں رہتا ہے۔ پھر ایک فرشتے کو بھیجا جاتا ہے وہ اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے چار چیزوں کا حکم دیا جاتا ہے کہ اسکا وزن۔ موت۔ اور عمل اور اس کی شقاوت اور سعادت کو لکھ دیا جائے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے تم میں سے جو بھی جنت کے لئے عمل انجام دے گا۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جائے گا تو وہ تقدیر کا نوشتہ آگے بڑھ کر اس کی راہ روک لے گا اور وہ ایسے کام انجام دے گا جو جہنم میں لے جاتے ہیں۔ اور تم میں جو بھی بُرے کام انجام دے گا یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جائے گا تو وہ (تقدیر) نوشتہ آگے بڑھے گا اور انسان اچھے کام انجام دینے لگے گا اور وہ اُسے جنت میں لے جائے گا"۔ (صحیح مسلم



جلد ۸ صـ۴۴۔ صحیح بخاری جلد ۷ صـ۲۱۰)

اسی طرح مسلم نے اپنی صحیح میں اُم المومنین جناب عائشہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ "رسولؐ کے انصار میں سے کسی بچہ کی موت ہوئی اور میت پر بلایا گیا ہے۔ تو میں نے کہا کہ "خوشا نصیب اسکا کہ وہ جنت کا پرندہ ہے۔ (کیونکہ اس نے کوئی بُرا کام انجام نہیں دیا اور نہ اس سے واقف تھا) آپ نے فرمایا "اے عائشہ اس کے علاوہ بہت کچھ جنت کے اہل پیدا کئے ہیں اور جہنم کے بھی پیدا کئے ہیں اور جہنم کو انکے لئے پیدا کیا ہے۔ درآنحالیکہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے صلبوں میں تھے"۔ (صحیح مسلم جلد ۸ صـ۵۵) اسی طرح بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ ایک شخص نے دریافت کیا "یا رسولؐ اللہ کیا اہلِ بہشت اہل جہنم سے پہچانے جاتے ہیں" فرمایا "ہاں" تو اس نے کہا کہ "پس ہم لوگ عمل کیوں انجام دیتے ہیں"۔ آپ نے فرمایا "جو عمل انجام دیا جاتا ہے وہ اسی کے لئے خلق کیا گیا ہے۔ یا اس کے انجام دینے پر مجبور ہے"۔ (صحیح بخاری جلد ۷ صـ۲۱۰) اس قسم کی مفروضہ اور وضع کی گئی حدیثوں کو پڑھ کر مومن کا دل لرز جاتا ہے۔ یا اللہ تو پاک ہے ہر ظلم اور جبر سے۔ تو بلند ہے ہر عیب سے۔ کیا کوئی سچا مسلمان تیری آیاتِ حکیمانہ اور ہدایاتِ عالمانہ سے گریز کر کے ایسی بے بنیاد اور مہمل احادیث کو قبول کرسکتا ہے۔ کیا کوئی مومن قرآن حکیم کی ان ہدایت کا منکر ہوسکتا ہے۔ جن میں تو نے فرمایا ہے کہ:

"اللہ انسانوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا لیکن وہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا کرتے ہیں" (۳۔۱۱۷)۔

"خدا کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا" (۱۸۔۴۹)۔ "اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں

واضح رہے کہ یہ ساری لغویات اور گمراہ کن روایات بنی امیہ۔ بنی مروان اور بنی عباس کے بادشاہوں نے اپنے عیوب پر پردہ ڈالنے کی غرض سے وضع کرائی ہیں۔ جو ان کے مظالم اور جابرانہ افعال کے لئے زرہیں ثابت ہوسکیں اور وہ اپنے ان مقاصد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوگئے۔ یہ حدیثیں آیات قرآنی کے سراسر خلاف ہیں۔ رسولؐ نے تو فرمایا ہے کہ "جب تمہارے پاس ہماری کوئی حدیث پہنچے اور مشکوک معلوم ہو تو اسے کتابِ خدا سے ملاؤ۔ اگر موافق پاؤ تو قبول کرو اور اگر خلاف پاؤ تو دیوار پر دے مارو۔" مسلم اور بخاری کی اس قسم کی احادیث کتاب خدا اور سنتِ رسولؐ کے منافی ہیں اور ان پر کوئی توجہ نہیں دینی چاہیئے۔ کیونکہ مسلم اور بخاری نہ تو معصوم ہیں اور نہ خارج از خطا۔ خداوند کریم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے تاکہ مفسد اور گمراہ کن بندوں کی اصلاح کریں۔ رہبری کرکے انھیں صراطِ مستقیم کی طرف لے آئیں۔ مومنین اور صالحین کو بہشت کی خوشخبری دیں اور مفسدین کو نارِ جہنم سے ڈرائیں۔ خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ عادل ہے وہ تو انھیں لوگوں پر عذاب نازل کرتا ہے جن کے پاس انبیاء اور رسولؐ کو رہبری کے لئے بھیجنے پر بھی وہ اپنی گمراہی اور شقاوت پر اڑے رہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "جو شخص بھی ہدایت حاصل کرتا ہے وہ اپنے فائدے کے لئے کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اور کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہیں ہے۔ اور ہم تو اس وقت تک عذاب کرنے والے نہیں ہیں جب تک کوئی رسولؐ نہ بھیج دیں۔"

(۱۵-۱۷)

لیجئے اب اس سلسلے میں باب مدینۃ العلوم حضرت علیؑ کی ایک واضح اور مدلّل



ہدایت بھی سن لیجئے جسے آپ نے اپنے ایک صحابی کے اس سوال پر فرمایا: "کیا ہمارا شام جانا اللہ کی قضا و قدر کے مطابق ہے؟"!

"خدا تم پر رحم کرے شاید تم نے حتمی قضا و قدر سمجھ لیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر نہ ثواب کا سوال پیدا ہوتا نہ عذاب کا نہ وعدے کے کچھ معنی ہوتے نہ وعید کے۔ خدا نے بندوں کو مختار بنا کر مامور کیا ہے۔ اس نے آسان تکلیف دی ہے۔ دشواریوں سے بچایا ہے قلیل اعمال کا زیادہ اجر عطا کرتا ہے۔ اس کی نافرمانی اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ مغلوب ہوگیا ہے اور نہ اس کی اطاعت اس لئے کی جاتی ہے کہ اس نے مجبور کر رکھا ہے۔ اس نے انبیاء کو بطور تفریح نہیں بھیجا اور نہ بندوں کے لئے کتابیں بے فائدہ نازل کی ہیں۔ یہ تو ان لوگوں کا خیال ہے جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جنہوں نے کفر اختیار کرکے جہنم کمائی۔" (نہج البلاغہ)

جس کے اعمال اور افعال کے لئے نہ تو کوئی رکاوٹ ہوتی ہے اور نہ بندش. اس طرح اس کا یہ مثالی جسم اپنے پہلے والے مادی جسم سے ہر طرح سے اعلیٰ اور افضل ہوتا ہے. اس میں سرگرم عمل رہنے کی تمام طاقتیں ہوتی ہیں. اس کے افعال کے درمیان کوئی شے نہ تو حائل ہوسکتی ہے اور نہ کوئی رکاوٹ اس کے سامنے آسکتی ہے. یہ مثالی جسم ہر قسم کے قید و بند سے آزاد ہوتا ہے اور اسی طرح آزاد رہ کر وہ ابدالآباد تک باقی رہتا ہے.

حیات بعداز موت پر چوتھا نظریہ رکھنے والے دانشوروں اور محققوں کے مطابق انسان اپنے اسی مادی جسم اور روح کے ساتھ دوبارہ (روز محشر) واپس آئے گا. کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مادہ کو کبھی فنا نہیں ہے. نہ تو اس میں کوئی چیز کم ہوسکتی ہے اور نہ بڑھ سکتی ہے. اور محض اپنی شکلیں اور اثرات بیرونی تغیرات کے تحت بدلا کرتا ہے. ساتھ ہی ساتھ اس میں یہ طاقت بھی ہوتی ہے کہ روح کے ساتھ دوبارہ اپنی عملی زندگی بسر کرسکے. ان کے مطابق وہ ایک ایسی زندگی ہوگی جو موجودہ زندگی سے بہتر اور افضل ہوگی. ان منزلوں پر پہنچ کر جسم اور روح میں ایسی ہم آہنگی ہوگی کہ پھر ان میں دوئی باقی نہ رہے گی بلکہ وہ ہوگی ایک واحد زندگی.!!

جس کے نتیجے میں اس کی ماہیت، حقیقت اور صلاحیت موجودہ زندگی سے انتہائی بلند اور بزرگ ہوگی. اور اس طرح ان کی دوسری زندگی موجودہ زندگی کی طرح دو حقیقتوں کا مجموعہ تو ہوگی مگر دونوں میں یکسانیت اور مکمل ہم آہنگی درجۂ کمال پر ہوگی.



درحقیقت ہم ابھی تک حیات بعداز موت کی کوئی واضح دلیل نہیں پیش کر سکے ہیں جو سائنس یا کسی دوسرے علم کے نقطۂ نظر سے قابل قبول ہوسکے مگر اس سلسلے میں چوتھے نظریہ کی دین اسلام بھی حمایت کر رہا ہے اور جس کی قرآن حکیم نے متعدد جگہوں پر تائید کی ہے. وہ قرآن حکیم جس میں انسانی زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے. اور جس میں انسان کے دوبارہ مجسّم واپس آنے کا ذکر ہے. قرآن کتاب خدا ہے. اور اپنی تخلیق کے بارے میں خالق مطلق سے بہتر اور کون جان سکتا ہے. قرآن حکیم کا نہایت واضح اور بلیغ اعلان ہے کہ انسان اپنے مادی جسم کے ساتھ محشور ہوگا.

"خدا نے ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا. پھر وہی دوبارہ (پیدا) کرے گا. پھر تم سب اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے." (۳۰۔۱۱)

ایک دوسری جگہ قرآن جسمانی معاد کو اور بھی واضح کر رہا ہے.

"اور قیامت آنے والی ہے. اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو لوگ قبروں میں ہیں انھیں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا ہوگا." (۲۲۔۷)

قرآن حکیم نے حضرت عزیرؑ کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے انسان کی اپنے اسی مادی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ ہو اٹھنے کی مثال بھی پیش کر دی ہے. جسے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس طرح انسان ہڈیوں کا ڈھانچہ اور خاکستر ہوجانے کے بعد اپنے اصلی جسم میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ سکتا ہے.

حضرت عزیرؑ کا قصہ کچھ اس طرح سے ہے کہ ایک دن آپ اپنی سواری پر جا رہے تھے. آپ کے ساتھ اپنے کھانے پینے کا سامان بھی تھا. اسی اثنا میں آپ کا گزر جب ایک سنسان اور ویران سی آبادی سے ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگ

RAJANI HUSAIN ALI AKBAR ALI

# کچھ اعتراضات اور ازالے

(۱) حیات بعد از موت کے سلسلے میں بعض محققین کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ وجود آدم سے قیامت تک نہ جانے کتنے لوگ پیدا ہوتے اور مرتے رہیں گے اور روز حشر اگر ان سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو کیا اتنے بڑے مجمع اور اس جمع غفیر کے لئے یہ دنیا کافی ہو سکے گی! مگر یہ اعتراض خداوند عالم کے نظام اور ارشادات کے سامنے حل ہو جاتے ہیں جس میں قیامت کی منظر کشی کرتے ہوئے اعلان ہو رہا ہے کہ روز قیامت اس سورج کے زیر اثر ساری نظام شمسی پر قیامت واقع ہو جائے گی۔ اور سورج کے گرد گردش کرتے ہوئے تمام سیارے اپنی کشش ثقل کھو کر ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے۔ یہ پہاڑ ذرات میں بدل جائیں گے۔ سمندر خشک ہو جائیں گے کیونکہ سورج اپنی کشش ثقل کھو چکا ہوگا۔ اور پھر نہ تو یہ دنیا پہلی جیسی دنیا ہوگی اور نہ یہ سیارے اپنی موجودہ حالت پر قائم رہ سکیں گے۔ اور ایک دوسرے سے متصادم ہو کر ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گے۔ اب جب کہ ہماری اس نظام شمسی کے کئی سیارے ہماری دنیا سے کئی گنا بڑے ہیں جن میں مشتری Jupitar ہماری دنیا سے گیارہ گنا بڑا ہے۔ زحل Saturn تقریباً دس گنا بڑا ہے۔ یورینس URANUS اور نیپچون Neptune تقریباً چار گنا بڑے ہیں اور جب یہ سب ایک قیاس میں نہ آنے والے ملبہ میں بدل جائیں گے۔ اور پھر ایک قیاس میں نہ آنے والا عالم ہوگا۔



"جب آسمان شگافتہ ہو جائے گے۔ اور جب سیارے ٹوٹ کر گریں گے اور جب تمام دریا بہا کر خشک کر دئے جائیں گے (۸۲۔۱ تا ۳)۔

"پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی روئی (مختلف رنگوں کے پہاڑ چکنا چور ہو کر پھیل جائیں گے)" (۱۰۱۔ ۴ و ۵)۔

"جب زمین تان دی جائے گی۔ اور جو کچھ اس میں ہے نکال کر خالی ہو جائے گی" (۸۴۔ ۳ تا ۴)

نہ یہ نظام شمسی ہوگا۔ اور نہ پہلے جیسا کوئی نظم و ضبط ہوگا اور اس وقت کے نظام کا ایک ایسا منظر ہوگا جس پر اس دنیا جیسا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ان حالات کا اندازہ لگا لینے کے بعد جگہ کی تنگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس وقت اس نظام شمسی کے تمام سیارے ایک ہی ملبہ میں سمٹ کر ایک عظیم میدان حشر کی تشکیل کریں گے۔ ایک ایسی زمین کی تعمیر جس میں نہ بلندی ہوگی۔ نہ پستی ہوگی۔ نہ سمندر ہوں گے نہ پہاڑ ہوں گے اور زمین بھی تان کر ہموار کر دی جائے گی اور پھر مشیت خدا کے تحت ایک ایسا میدان پھیلا ہوگا جہاں کشادگی ہی کشادگی ہوگی۔

(۲) اس سلسلے میں کچھ لوگوں نے قرآن حکیم کی اس آیت پر طبع آزمائی فرمائی ہے کہ "جب کھالیں جل کر گل جائیں گی تو ہم ان کے لئے دوسری کھالیں بدل کر پیدا کر دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں" (۴۔۵۶)۔ ان کا کہنا ہے کہ اس دوسری بدلی ہوئی کھال نے کیا گناہ کیا ہے جو اسے بھی عذاب کا شکار ہونا پڑے گا! جب کہ عین حقیقت ہے کہ کھال (مادہ) محض شکلیں بدلتا رہتا ہے۔ وہ جل کر پگھل سکتا ہے۔ کوئلہ اور راکھ ہو سکتا ہے اور پھر عالمی نظریہ کے تحت خدا کی قدرت کاملہ سے دوبارہ پہلی شکل

[illegible]

ابتدائی ضروریات زندگی کے تمام اسباب ایسے دانشورانہ طرز سے فراہم اور مہیا ہوتے ہیں جو ایک واحد خلیہ کے وارفتگی کے ساتھ پروان چڑھنے کی خاطر ایک مدت معینہ تک کے لئے خود کفیل ہوتے ہیں۔

غور کرنے پر اس کیپسول میں جسم کا ایک مکمل ننھا سا ڈھانچہ۔ مرکز قوا۔ پرورش کے سامان۔ تیزابی اور حیاتیاتی غذائیت۔ پروٹین۔ لحمینہ۔ متحرک۔ جوہری مادّہ کا مرکز۔ تقریبی فطرات۔ یہاں تک کہ اس کے قیافہ اور رنگ کا مادّہ۔ کچھ سادہ نہاں خانے کچھ چھپے ذرات۔ کچھ ساکن اور خاموش مگر جاندار گوشے غرضکہ ہر وہ چیز جو زندگی کی وارفتگی کے ساتھ پروان چڑھنے اور بڑھنے کے لئے ایک معینہ مدت تک کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ اس مدت میں ان خلیوں کی تعداد اس قدر ہو جاتی ہے کہ ایک مسلّم اور مکمل انسان وجود میں آجاتا ہے۔ خلیہ قدرت خداوندی کا ایک عظیم شاہکار ہے۔

اس طرح خلیہ کی بنیادی حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اس قسم کے اعتراض کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب ہمارا وجود محض ایک واحد خلیہ سے شروع ہوتا ہے اور پھر خلیوں کی کثرت سے ہمارے مکمل جسم کی تشکیل ہو جاتی ہے۔ اور جب کہ ہمارے ابتدائی خلیہ میں سارے جسم۔ اعزا، اور شخصیت کی حقیقت پنہاں ہوتی ہے۔ تو اسی ایک خلیہ میں دوبارہ مکمل انسان کے پیدا ہونے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔ اور اس طرح روز محشر ہمارے دوبارہ تشکیل ہو جانے کے لئے محض ایک خلیہ واحد (تخم لازوال) ہی کافی ہوگا۔ اور شاید اسی حکمت کے تحت قادر مطلق نے ابتدائی خلیہ کے مثل "تخم لازوال" کو ہمیشہ باقی رکھا ہے جس کی طرف امام جعفر صادقؑ نے "خاک مستدیر" کہہ کر اشارہ کیا ہے۔ اور یہی "تخم لازوال" روز قیامت تک



کے لئے زیر زمین اور خاک میں مل کر اپنے دوبارہ زندہ ہو اٹھنے کے لئے اپنی تمام داخلی قوت نمو کے ساتھ ساکن مگر بیدار ہے۔ تخم لازوال کا اجمالی ذکر قیامت کا پس منظر کے تحت آیا ہے۔

انسان خود ایک عظیم طاقت کا منبع ہے اور اس کی تخم لازوال یا خاک مستدیر تو اپنے تمام پچھلے خلیوں کا نچوڑ۔ جوہر اور خلیفہ ہوتا ہے اور خصوصًا روز محشر جس دن تمام طاقتیں آزاد ہوں گی اس وقت یہ تخم لازوال جو زیر زمین رہنے کے بعد بھی ایک عظیم طاقت کا منبع ہوتا ہے۔ متنبیّر ہو کر ایک بار پھر اپنی گزشتہ دور حیات کے بہترین اور نوجوان شکل میں بیدار ہو کر اٹھ کھڑا ہوگا۔

RAJANI HUSAIN ALI AKBAR ALI

# موت

موت، استفسارات حیات بعد از موت کے سلسلے کی اہم ترین کڑی ہے۔ انسانی ارتقاء کی منزلوں کے ساتھ ساتھ موت کی حقیقت معلوم کر لینے کی تحقیقات برابر کوششیں جاری رہی ہیں۔ موت ایک ایسا سربستہ راز ہے جس پر آج تک نہ تو پردہ اٹھ سکا، اور نہ موت پر قابو پایا جا سکا۔ اس عنوان کے تحت حضرت علیؑ کے ارشادات غور طلب ہیں۔

"اے لوگو۔ ہر شخص اس چیز کا سامنا کرنے والا ہے جس سے وہ فرار اختیار کئے ہوئے ہے۔ جہاں زندگی کا سفر کھینچ کر لے جاتا ہے وہی حیات کی منزل منتہا ہے۔ موت سے بھاگنا اسے پالینا ہے۔ میں نے موت کے چھپے ہوئے بھیدوں کی جستجو میں کتنا ہی زمانہ گزارا مگر مشیت ایزدی یہی رہی کہ اس کی (تفصیلات) بے نقاب نہ ہوں۔ اس کی منزل تک رسائی کہاں۔ وہ تو ایک پوشیدہ علم ہے۔"
(نہج البلاغہ)

موت ایک رازِ کبریائی۔ ایک علم مخفی۔ ایک کبھی حل نہ ہونے والا سوال۔ اور کسی یقینی اور پختہ نتیجہ پر نہ پہنچ سکنے والا فلسفہ ہے۔ پھر بھی ذہن انسانی اپنے ذرائع و مدارک۔ سائنس۔ مشاہدات۔ علم طب۔ فلسفہ اور ارشادات معصومین کی روشنی میں اس رازِ سربستہ کو حل کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ بھی حاصل کر سکا ہے ہم انھیں قارئین کے سامنے پیش کر دینا ضروری



سمجھتے ہیں۔

علم انسانی سے بہت پہلے ابنائے آدم نے، تہذیب و تمدن کے دور میں بھی لوگ پیدا ہوتے تھے اور مرتے تھے۔ نہ اس وقت آج جیسی میڈیکل سائنس تھی نہ طبی آلات اور نہ انسان کو اپنے جسم کے بارے میں تفصیلی معلومات ہی تھیں۔ جب اسے اعضاء انسانی اور اعضاء رئیسہ میں تعلق اور ان کے کام کرنے کا کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ اس وقت انسانی جسم ایک راز سربستہ تھا اور خود انسان ایک حل نہ ہوسکنے والا معمہ جس کو انسان نے نہ تو سمجھا تھا اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔ یہ تو بس انسان کی ابتدائی عقل و تمیز کی باتیں تھیں جن سے وہ سمجھ پاتا تھا کہ آدمی مر گیا ہے۔ اس کے لئے سانس کا بند ہو جانا۔ دل کی دھڑکنوں کا رک جانا۔ نبض کا ساکت ہو جانا سانس کا رک جانا۔ زیادہ سے زیادہ کان رکھ کر دل کی دھڑکن سنی۔ کلائی پر ہاتھ رکھ کر نبض کا جائزہ لیا ناک پر ہاتھ رکھ کر سانس کا احساس کیا۔ سینہ کا زیر و بم دیکھا۔ اور جب یہ بات متفقہ طور سے طے ہو گئی کہ جسد انسانی نے اپنا کام بند کر دیا ہے تو اسے ایک مردہ لاش تصور کر کے چادر سے ڈھک دیا اور پھر اپنے رواج کے مطابق اس کے آخری رسوم کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آج بھی دنیا کے تاریک ترین علاقوں میں جہاں طبی سہولتیں ناپید ہیں انھیں پیمانوں پر جانچ کرنے کے بعد موت کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ معاشرہ کے ابتدائی دور میں انسان کے جسم کو چیر کر اس کے اندرونی اعضاء رئیسہ کو غور کرنا بھی ایک اخلاقی جرم اور مردہ کے ساتھ بے حرمتی کا مترادف تھا۔ اور اکثر علاج معالجہ کے لئے جادو۔ ٹونا۔ منتر اور روحوں کے خیالی اور توہماتی عقائد

کارفرماں تھے۔

حقیقی معنوں میں میڈیکل سائنس اور چیر پھاڑ ولیم ہاروے کے زمانہ میں وجود میں آئے۔ جس نے دریافت کیا کہ خون رگوں اور شریانوں کے ذریعہ سے سارے بدن میں دوڑتا رہتا ہے۔ دل ایک پمپنگ اسٹیشن ہے۔ جسم کا تمام خراب اور فاسد خون شریانوں کے ذریعہ سے پھیپھڑوں میں صفائی کے لئے چلا جاتا ہے اور پھر وہی خون صاف ہو کر دوبارہ شریانوں کی مدد سے دل میں آتا ہے۔ جہاں سے وہ دوبارہ پمپ کر کے شریانوں کے ذریعہ تمام جسم میں بھیج دیا جاتا ہے اور سب سے تازہ اور خالص خون دماغ کو بھیجا جاتا ہے۔ اس کے بعد "پاسچر" نے جراثیم کا پتہ لگایا اور پھر تو اس کے بعد میڈیکل سائنس میں روز افزوں ترقی ہونے لگی۔ جراحی اور چیر پھاڑ کے علم نے ایسی حیرت انگیز ترقی کی جس نے موت کے عنوان کو ہی ایک نئی شکل دے دی اور اب یہ دور آگیا ہے کہ میڈیکل سائنس جسم کے اعضاو رئیسہ کے رک جانے کو موت نہیں مانتی جس کی مثال مسز اندرا گاندھی کی موت سے دی جاسکتی ہے کہ ان پر تقریباً نو بج کر دس منٹ پر ریوالور کی پانچ اور اسٹین گن کی پچیس گولیاں ماردی گئیں جو خود ان کے محافظوں نے بہت قریب سے ماری تھیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے ان کی موت جائے حادثہ پر ہی ہو گئی تھی اور پھر انھیں آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس لے جایا گیا۔ جہاں ڈاکٹروں نے مل کر گھنٹوں انھیں دوبارہ زندہ کرنے کی کوششیں کیں اور آخرکار ہر طرح سے ناکام ہو جانے کے بعد تقریباً دو بجے دن میں انھیں مردہ قرار دیا گیا اور یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب ماہرین اور سرجن ہر طرح سے ناکام ہو گئے۔



یہ واقعہ اسبات کا شاہد ہے کہ علم سرجری اب اس عروج پر ہے جہاں جسم کے اعضاو رئیسہ کے معطل ہو جانے کے بعد بھی اگر ان پر وقت معینہ کے اندر عمل کیا جائے تو انھیں دوبارہ زندہ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ جسم اس قابل ہو کہ دوبارہ زندہ ہو جانے کے بعد وہ از خود زندہ رہ سکے یا اُسے کوئی ایسی جان لیوا بیماری نہ ہو جس سے اس کی زندگی تلف ہو سکے۔ یا اُسے مرے ہوئے اتنا عرصہ نہ گزر گیا ہو جس سے اس کے دماغی سیلز CELLS بے جان ہو چکے ہوں۔ آج کی میڈیکل سائنس انسانی دماغ کے خلیوں کے مرجانے کو ہی اصل موت مانتی ہے۔ یہ دماغ ہی ہے جسے زیادہ سے زیادہ آکسیجن اور صاف خون کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر خون کی سپلائی ایک بار اتنی مدت تک کے لئے رک گئی اور دماغی خلیئے مرگئے تو پھر ان کا دوبارہ زندہ ہونا ممکن نہیں ہے۔

جب رُکی ہوئی سانس دوبارہ لائی جاسکتی ہے۔ جب دل کی دھڑکنیں دوبارہ شروع کی جاسکتی ہیں اور جب پھیپھڑے دوبارہ کام شروع کر سکتے ہیں تو اِن دونوں کی مدد سے دوران خون کو ایک بار پھر بحال کیا جاسکتا ہے جو انسانی جسم کی مشینری کے چلانے کے لئے جوہر سیال ہے اور دماغ کے خلیوں کو زندہ رکھ سکتا ہے اور انسان اس وقت تک مُردہ تصور نہیں کیا جاسکتا جب تک اس کے دماغ کے خلیئے زندہ ہیں۔ ہاں جب دوران خون بند ہو جانے کے بعد ایک مدّت معینہ تک یہ جوہر سیال دماغی خلیوں تک نہیں پہنچ پاتا تو دماغ کے خلیئے مرنے لگتے ہیں جن کے مرنے کے بعد انسانی زندگی کی ساری امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں۔ یہ مدّت معینہ بھی ہر انسان کی الگ الگ ہوتی ہے کسی

کی دو گھنٹہ تو کسی کی آنکھ کھلنے تک۔
[illegible] جعفر صادقؑ کی ان تعلیمات کا ذکر یہ [illegible] چودہ سو [illegible] ابو شاکر [illegible]۔ اور جو آج تک کے تمام طبی تجربات اور معلومات کا [illegible]۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ہر قسم کی ناگہانی موت آخری مرحلے میں خون کی [illegible] رکاوٹ [illegible] سے واقع ہوتی ہے۔ موت جسمانی [illegible] اور بالخصوص حرکت قلب کے بند ہوجانے سے آجاتی ہے۔ [illegible] جب [illegible] اور رکاوٹ آجاتی ہے تو دل، دماغ اور خون میں [illegible] انسان کو ہلاکت تک پہنچا دیتے ہیں۔ [illegible] زندگی خدا کا ایک قیمتی عطیہ ہے مگر اس کے ساتھ اس سے [illegible] انکار [illegible] موت [illegible] ہے اور خدا کا حکم بھی یہی ہے کہ "ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے" [illegible]

میڈیکل سائنس نے موت کے اتنے اسباب بتلائے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہاں اگر اسے اختصار کے ساتھ سمجھنا ہے تو تعلیمات معلمان علم وحی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور ہدایات معصومین کا سہارا لینا ہوگا۔ اس سلسلے میں امام جعفر صادقؑ کے اس مکالمہ کے کچھ اقتباسات پیش کر دینا ضروری ہوگا۔ جو آپ نے ابو شاکر کے سوالات پر کیا ہے۔

ابو شاکر۔ کیا بات پیدا ہوتی ہے کہ ہمارا دل، دماغ اور خون ہم کو دفعتاً ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

جعفر صادقؑ۔ ہر قسم کی ناگہانی موت آخری مرحلہ میں خون کی غفلت اور رکاوٹ سے



واقع ہوتی ہے۔ اور [illegible] گوشت [illegible] استعمال [illegible]۔ جب خون [illegible] اور خود [illegible] ہو جاتے ہیں اور انسان [illegible] دیتے ہیں۔ [illegible] زندگی بسر کرتے [illegible] پہلے مرتے نہیں دیکھا گیا۔ [illegible] گوشت اور [illegible] ہیں اور بعض [illegible] بلکہ [illegible] گوشت [illegible] جاتے ہیں [illegible] بیمار ہوتے ہیں اور [illegible] اس سے [illegible] میسر آگیا تو [illegible] ہے۔ [illegible] نہیں [illegible] مرگ مفاجات کا خطرہ درپیش ہو۔

ابو شاکر۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ موت [illegible] ہے؟

جعفر صادقؑ۔ موت انسانی جسم کے اعمال و افعال کا وقفہ بالخصوص حرکت قلب اور سانس کا رک جانا ہے۔

ابو شاکر۔ کیا ہوتا ہے کہ انسان مر جاتا ہے؟

جعفر صادقؑ۔ انسان دو چیزوں سے مرتا ہے ایک بیماری اور میں کہہ چکا ہوں کہ جو لوگ مرگ مفاجات میں مبتلا ہوتے ہیں وہ اگرچہ اپنے کو تندرست سمجھتے ہیں لیکن اندرونی طور پر بیمار ہوتے ہیں اور وہ بھی بیماری سے ہی مرتے ہیں۔ اور دوسری وجہ جس سے موت واقع ہوتی ہے بڑھاپا ہے کیونکہ آدمی اگر صحیح سالم ہو تب بھی آخر کار بڑھاپے سے مر جائے گا۔ یونان کا ایک قدیم معالج اور حکیم بقراط کہتا ہے کہ بڑھاپا بھی ایک قسم

کی بیماری ہے۔ اور جس روز اس بیماری کا علاج دریافت ہو جائے گا انسان کو موت سے چھٹکارہ مل جائے گا۔

ابوشاکر۔ لیکن ہمارے اطبّا اور معالج تو اس بیماری کا علاج نہیں کر سکتے۔!

امام جعفر صادقؑ۔ نہیں اے ابوشاکر۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ طبیب اور معالج اس مرض کا علاج ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے کہ موت مشیت ایزدی ہے۔ اور چونکہ خدا کی مصلحت اور قدرت نے موت کو پیدا کیا ہے لہٰذا طبیب اور معالج اتنی قوت نہیں رکھتے کہ مرض پیری کا علاج کر سکیں۔ کیونکہ خدا نے یہ بات مقرر کر دی ہے کہ موت آئے۔ اور جو کچھ خدا مقرر کر دے اس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ خدا کا ارشاد ہے کہ موت موجود ہے۔ اور سوائے خدا کے ہر ایک کو موت آئے گی۔ موجودات کے اندر ایک تبدیلی سے دوسری تبدیلی اور ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونا ہے۔ کوئی چیز ایک حال پر باقی نہیں رہتی۔ حتیٰ کہ اگر خدا نے افرادِ بشر کے لئے موت ضروری قرار نہ دی ہوتی۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں تب بھی نوع انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ موت کا سلسلہ قائم رہے۔ انسانی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے موت اس قدر ضروری ہے کہ اگر یہ نہ ہوا اور آدمی باقی رہنا چاہے تو اسے موت ایجاد کرنی پڑتی۔ تاکہ لوگ مرتے رہیں اور موت کے نتیجے میں نوع بشر باقی رہے۔ اور اس کی نسل منقطع نہ ہو۔

ابوشاکر۔ پھر لوگوں کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ بعض گزشتہ پیغمبروں نے جاودانی زندگی پائی اور اب بھی زندہ ہیں۔!

جعفر صادقؑ۔ اے ابوشاکر تم اس پر اعتبار نہ کرو۔ کیونکہ دنیا میں اب تک کوئی ایسا آدمی پیدا نہیں ہوا جو مرا نہ ہو۔ یا اگر ابھی زندہ ہے تو آئندہ نہ مرے۔ یہ بات جو کہی جاتی



ہے کہ بعض پیغمبر زندۂ جاوید بن چکے ہیں۔ جو نہ کبھی مرینگے اور نہ مرے ہیں اس کی حقیقت ایک افسانے سے زیادہ نہیں ہے۔ تمام پیغمبروں میں ہمارے پیغمبر جن پر تم ایمان نہیں رکھتے افضل اور برتر خاتم النبیین تھے لیکن آپ نے بھی رحلت فرمائی۔

ابوشاکر۔ آپ کا خدا تو یہ کہتا ہے کہ ہر شخص کی موت کا وقت معین ہے اور وہ نہ ایک ساعت پہلے مرتا ہے اور نہ ایک ساعت بعد میں۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ جو شخص گوشت کھاتا ہے وہ جلد مر جاتا ہے۔ اور اپنے اس قول کے ذریعہ سے آپ خدا کے کلام کا انکار کرتے ہیں۔

جعفر صادقؑ۔ اوّل تو میں نے یہ کہا ہی نہیں کہ جو گوشت اور مقوی غذائیں زیادہ مقدار میں استعمال کرتے ہیں وہ مرگ مفاجات کا شکار ہو ہی جاتے ہیں بلکہ کہا کہ بعض اشخاص کے لئے گوشت اور دیگر مقوی غذائیں استعمال کرنے سے مرگ مفاجات کا امکان رہتا ہے۔ دوسرے عمر طبعی اور اس عمر میں جسے انسان اپنے ہاتھوں کم کر لیتا ہے فرق ہے۔ عمر طبعی وہ ہے جو ایک آدمی معمولی اور عادی حیثیت سے گزارتا ہے اور جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے اس عمر کی ایک مدت معین ہوتی ہے جس کے ختم ہونے پر آدمی مر جاتا ہے۔ نہ ایک ساعت قبل اور نہ ایک ساعت بعد۔ لیکن دوسری قسم میں انسان خود اپنے ہاتھوں موت بلا لیتا ہے۔ اور یہ موت طبعی موت سے جداگانہ ہوتی ہے۔ اور اس کو خودکشی کہنا چاہئے۔ جو شخص تلوار سے اپنا گلا کاٹ لے اور اپنے کو ہلاکت میں ڈال دے وہ خدا کے اس ارشاد کے تحت نہیں آتا کہ موت کا وقت بدل نہیں سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ خدا نے اسکی عمر نوے سال یا سو سال معین کی ہو لیکن وہ جوانی میں ہی خنجر کی ایک ضرب سے اپنی زندگی تباہ کر لیتا ہے۔ اسی طرح گوشت اور دوسری مقوی غذائیں استعمال کر کے اپنے خون کو غلیظ بنانے

... دل کی دھڑکن کو نا ہموار کرتا ہے اور خون کی غلظت خون کے انجماد کا باعث ہوتی ہے۔

امام جعفر صادقؑ کے مخصوص نظریات میں سے ایک نظریہ انسان کی عمر کے متعلق ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ "آدمی اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ سو برس تک جیئے، لیکن وہ اپنی عمر کو کوتاہ کر لیتا ہے۔" اگر انسان اصولی قوانین پر عمل کرے ... پرہیز کرے اور اصولی دستور کے مطابق خورد و نوش میں اسراف نہ کرے تو ... سے بہرہ مند ہوگا۔ طول عمر کا مسئلہ دو چیزوں سے وابستہ ہے۔ ایک ... اور تندرستی کی حفاظت اور دوسرے ... سے پرہیز۔

پہلی صدی عیسوی میں روم کے لوگوں کی اوسط عمر صرف ۲۲ سال ہوتی تھی ... وہاں کے لوگ صحت پر زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے، ورنہ ... کو معلومات نہ تھیں۔ وہ عمدہ اور مرغن غذا ... استعمال سے بہت زیادہ کھاتے تھے۔ وہاں کے بڑے اور متمول لوگوں کی دیکھا دیکھی عوام بھی مرغن غذاؤں کا پرخوری کرتے تھے۔ روم کے معززین اور امراء کے کھانے کے کمرہ سے ملحق ایک کوٹھری بھی ہوتی تھی جسے "ڈیمی توریم" یعنی قے کرنے کی جگہ کہا جاتا تھا۔ اور اگر زیادہ کھا لینے کی وجہ سے فطری طور پر تسلی نہیں ہوتی تھی تو لوگ اس کے اندر جا کر عمداً قے کر کے خود کو ہلکا کر لیتے تھے۔ اور پرخوری کی وجہ سے موت سے بچتے تھے ___ موجودہ طبی سائنس کی ترقی کے دور میں بھی اگر مرض سرطان قابل علاج ہو جائے اور اگر قلبی امراض، دماغی نسوں اور خون کے جمنے کی وجہ سے خون کی رکاوٹ کا علاج ہو سکے پھر بھی انسان کی اوسط عمر دو سال سے زیادہ نہیں بڑھے گی۔ کیونکہ جو چیزیں اوسط عمر میں اضافہ کرتی ہیں ...



... حفظان صحت، بیماریوں کی روک تھام ... غذاؤں اور مشروبات کے سلسلے میں اسراف اور قواعد کا خیال ضروری ہے۔ اگر انسان ان تمام چیزوں سے مکمل پرہیز ... بڑھاپے کی وجہ سے ... بڑھاپا موت کا سبب بن جاتا ہے ... اعضاء ... فرسودہ اور کمزور ہو جاتے ہیں اور ایسی حالت میں ... امراض ... آخیر میں موت کے سلسلے میں ... صادقؑ کے ... ارشادات کا لکھ دینا بھی انتہائی اہم اور معلوماتی ہوگا۔

... ایک ... کی وجہ سے موت سے خوف کھاتا ہے ... موت کی حقیقت ... اور وہ اپنی دنیاوی مسرتوں ... خوف سے ... مسلمان موت سے اس لئے خائف نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مرنے کے بعد ... اس کے لئے اس دنیا سے بدرجہا بہتر خوشیاں ... وہ جانتا ہے کہ اس دنیا کی ... محدود ہیں۔ ویسے کافر کو بھی عقلاً موت سے ڈرنا نہیں چاہئے کیونکہ موت کے بعد کی دنیا سے وہ ناواقف ہی ہے اور ناواقف سے خوف کھانا عقل کے خلاف ہے۔ وہ موت سے خائف محض اس وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ موت کے بعد کے حالات کو اس نے انتہائی خوفناک بنا رکھا ہے۔ موت فنا کا نام نہیں ہے۔ حکمت کا یہ اصول ہے کہ جو چیز وجود میں آگئی پھر وہ فنا نہیں ہوتی۔ وہ کسی نہ کسی شکل میں باقی رہتی ہے۔ مادّہ کے نیست و نابود اور فنا ہو جانے کے ضمن میں موت کا کوئی وجود نہیں ہے۔ البتہ شکل بدل جانے کے مفہوم میں موجود ہے۔ عالم ہستی میں صرف ایک ہی چیز ایسی ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور وہ خدا کی ذات ہے۔ ورنہ اس کے علاوہ ہر شے اپنی شکل بدلتی ہے۔

جابر بن حیان کے استفسار پر کہ کیا آپ موت کو تکلیف دہ اور درد ناک سمجھتے ہیں؟" امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "نہیں اے جابر موت تکلیف دہ اور درد ناک نہیں ہوتی۔ انسان کی ساری بیماریاں۔ درد اور تکلیف زندگی سے وابستہ ہیں۔ آدمی جب تک زندہ ہے وہ بیماریوں۔ زخموں اور ضربات کی وجہ سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔ لیکن جس وقت روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے اور موت آجاتی ہے تو انسان موت سے کسی تکلیف اور درد کا احساس نہیں کرتا۔



# عالمِ برزخ

عربی میں "برزخ" دو چیزوں کے درمیانی حدِ فاصل کو کہتے ہیں۔ دنیاوی (فانی) زندگی اور اخروی (دائمی) زندگی کے درمیان ایک عالم ہے اور دین اسلام کے مطابق وہی عالم برزخ ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں کئی جگہ آیا ہے۔

"اور ان کے مرنے کے بعد عالم برزخ ہے جہاں اس دن تک کہ دوبارہ قبروں سے اٹھائے جائیں رہنا ہوگا۔" (۲۳-۱۰۰)

مرنے کے بعد عالم برزخ میں انسان کی ترتیب نو اس طرح سے ہوتی ہے کہ اس کا جسد خاکی تو قیامت تک کے سپرد خاک ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مادۂ تعمیری میں مل جاتا ہے جہاں فطری طور پر یہ مادہ منتشر ہوتا رہتا ہے اور شکلیں بدلتا رہتا ہے کبھی گیاہ نباتات کی شکلوں میں تو کبھی پھلوں اور پھولوں کی شکلوں میں انسانوں اور حیوانوں کی غذائیں بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ قدرت الٰہی کے تحت ایک دن پھر اپنی حالت حالت میں ایک توانا اور تندرست انسان مجسم بن کر میدان حشر میں حاضر ہو جائے گا۔

مگر اس کی روح غیر مادی ہونے کے سبب سے نہ تو فنا ہوتی ہے اور نہ شکلیں بدلتی ہے اور نظام قدرت کے تحت اسے ایک ایسا مثالی اور لطیف جسم عطا ہو جاتا ہے جو مادی جسم سے سبک مگر قوی اور غیر متغیر ہوتا ہے۔ روح کو اسی لطیف جسم میں قیامت تک رہنا ہوگا یہاں تک کہ یوم بعثت وہ دوبارہ اس مثالی جسم کو ترک کر کے ایک بار پھر اپنے مادی جسم میں داخل ہو جائے گی اور پھر اسی مادی جسم کے ساتھ

حضورِ خداوندی میں حاضر ہو گی۔

قانونِ قدرت بھی یہی کہتا ہے کہ جب روح ایک لافانی اور غیر مادی شے ہے تو اس جوہرِ اولیٰ کو یوں بھٹکنے کے لئے نہیں چھوڑ دے گا بلکہ اس کے اعمالِ سالفہ کے مطابق خدا اُسے اس زمانۂ دراز تک کے لئے کوئی جائے مستقر ضرور دے گا۔ برزخ خود ایک عالمِ مثالی ہوگا۔ بالکل اسی دنیا کے مانند [illegible] کے بعد ہم اس طرح محسوس کریں گے جس طرح شکمِ مادر سے مادی دنیا میں آنے پر محسوس کرتے ہیں۔ برزخ کا مثالی جسم مادی جسم جیسا ہی ہوگا مگر وہ مادی نہ ہوگا بلکہ اس سے کہیں زیادہ لطیف ہوگا۔ اس کے لئے کوئی چیز مانع نہیں ہو گی۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ "اگر تم اس مثالی جسم کو دیکھو گے تو کہو گے کہ یہ تو بالکل وہی جسم ہے اس وقت اگر تم اپنے باپ کو دیکھو گے تو انھیں اسی دنیاوی جسم میں سمجھو گے حالانکہ ان کا مادی جسم تو قبر کے اندر ہو گا۔"

عالمِ برزخ میں روحِ انسانی تمام مادی اور خاکی بندشوں سے آزاد ہو جاتی ہے۔ وہاں نہ تو اسے زمان و مکان کی قید ہوتی ہے اور نہ کسی طرح کی بندش۔ اس کی سیر گاہ ہو سکتی ہے۔ عالمِ برزخ کی عظیم کائنات میں وہ اس کی لامحدود وسعتوں تک جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ عالمِ برزخ میں اس کی رفتار بھی پروازِ خیل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ وہاں اس کی روح تمام نفسانی شہوتوں اور آلودگیوں سے پاک ہوتی ہے۔ اس کی نگاہوں میں بلا کی وسعت اور درازی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت وہ اپنی دنیاوی اور مادی زندگی کو ایک خواب سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ روح اپنے مثالی جسم میں جس وقت اور جہاں چاہے سفر کر سکتی ہے۔

عالمِ برزخ میں مومنین متقین۔ شہداء اور صالحین کی روحیں آزاد۔ پُرسکون



[illegible] اور مسرتوں میں ڈوبی ہوئی ہوں گی۔ کیونکہ دنیا میں وہ خود کو مادی جسموں میں مقید محسوس کرتی تھیں۔ کمزور۔ حقیر اور رو بہ زوال۔ مجبور اور محصور۔ مگر اب نہ تو ان پر کسی طرح کی بندش ہو گی اور نہ ان کے لئے زمان و مکان کی کوئی مجبوری اور تردد۔ وہاں پر ان روحوں کو ان کے اعمالِ صالحہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے مطابق اعلیٰ درجات اور مقامات ہوں گے۔ وہاں پر وہ اپنے دنیاوی اعمالِ صالحہ اور رضائے الٰہی کے لئے پیش کی گئی قربانیوں کے صلہ میں بلند درجات حاصل کریں گی اور وہ خود کو بڑا خوش نصیب اور شاد کام محسوس کریں گی۔ ان کے سامنے پُرکیف مناظر ہوں گے اور ہر طرح کی دلوں کو مسحور کر دینے والی نعمتیں ہوں گی۔ ان کے احساسات ہر طرح آلودگیوں اور خباثتوں سے پاک ہوں گے۔ ہر طرح کی دلفریبیاں ان کے لئے فراہم اور دستیاب ہوں گی۔ اللہ کے نیک بندوں کے لئے وہاں پر ہر طرح کی دلفریبیاں ہوں گی اور دل خوش کرنے کے [illegible] اور پاک طریقے ہوں گے۔ جن میں نہ کسی طرح کی بندش ہو گی اور نہ رکاوٹ ہو گی۔ وہاں نہ تو ان کو کبھی کوئی مرض ہو گا اور نہ کوئی [illegible] ہر طرف نور۔ جمال۔ الفت۔ اور محبت بکھری ہوئی ہو گی۔ جس میں نہ بیزاری ہو گی نہ مکاری اور نہ نفاق۔ عالمِ برزخ میں اللہ کے مقرب بندے رہیں گے [illegible] جن کے ساتھ ان کی معاشرت اور اُٹھنے بیٹھنے کے طریقے ہوں گے۔ وہاں ان کی بہترین متقین اور قابلِ فخر و تعظیم ہستیوں کے ساتھ ہو گی۔ عالمِ [illegible] ضرورتوں کے مطابق بہترین اور لطیف رزق بھی ہو گا۔ مشروب بھی ہوں گے اور وہاں پر ان کے لئے ہر وہ چیز ہو گی جس کی وہ خواہش کریں۔ گویا عالمِ برزخ میں انھیں

بہشت جیسی بہاروں اور نظاروں کا لطف حاصل ہوگا۔ جو آخر کار بہشت کے لازوال نعمتوں سے جاملے گا۔

اس سلسلے میں کچھ لوگوں کے اس احتمال کا ازالہ کر دینا بھی ضروری ہے جو کہتے ہیں کہ جب ہمارا جسم ہی نہ ہوگا تو پھر ہم برزخ کی نعمتوں کا لطف کیونکر حاصل کر سکیں گے۔ اس کی وضاحت علم وہبی رکھنے والے امام جعفر صادقؑ کی ان تعلیمات سے ہو جاتی ہے جو آپ نے جابر بن حیان کے استفسار پر دی ہیں۔ یہ تعلیمات اس قدر مدلل اور عالمانہ ہیں جن کے بعد پھر کسی طرح کے شک وشبہ کا احتمال نہیں رہ جاتا۔

جابر :۔ آیا آپ اس پر غور نہیں فرماتے کہ کافر موت سے اس لئے ڈرتا ہے کہ وہ سوچتا ہے کہ اس دنیا کی خوشیاں اور مسرتیں اس سے چھن جائیں گی۔

جعفر صادقؑ :۔ میں یہی کہتا ہوں کہ کافر اس دنیا کی مسرتوں سے محروم ہو جانے کے خیال سے ڈرتا ہے۔ لیکن مسلمان اس بناء پر موت سے خائف نہیں ہوتا کہ اس دنیا سے کہیں زیادہ خوشیاں دوسری دنیا میں اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ س دنیا میں اس کی مسرتوں کا زمانہ محدود ہے اور دوسری دنیا میں غیر محدود۔ کافر کو بھی موت سے عقلاً ڈرنا نہیں چاہئے کیونکہ موت کے بعد کی دنیا اس کے لئے بالکل ہی غیر معروف ہے۔ لیکن وہ اپنی عقل سے کام نہیں لیتا بلکہ دنیا کے بعد موت کو سمجھنے کے لئے خوف پیدا کرنے والے تصورات قائم کر لیتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ آغاز میں ماں نہیں تھا بلکہ شکم مادر سے اس دنیا میں آیا ہے اور اگر یہاں سے چلا جائے گا تو پھر دوسری شکم مادر میں رہنا ہوگا۔ اس لئے وہ موت سے ڈرتا ہے۔ (شاید وہ اس وجہ سے بھی ڈرتا ہے کہ خدا جانے دوسرے جنم میں اُسے یہ سب مسرتیں حاصل



بھی ہوں گی یا نہیں۔ اس لئے وہ موجودہ زندگی کے عیش وطرب کو چھوڑتے ہوئے بھی مضطرب ہو جاتا ہے) لیکن اے جابر میں تم سے اسلام کے نظام فطرت کے تحت سوال کرتا ہوں۔ آیا تمہیں کبھی بیہوش ہونے کا اتفاق ہوا ہے۔

جابر :۔ (تھوڑی دیر سوچنے کے بعد) مجھے ایسا اتفاق نہیں ہوا ہے۔

جعفر صادقؑ :۔ آیا تم خواب دیکھتے ہو۔!

جابر :۔ خواب تو اکثر دیکھتا ہوں۔

جعفر صادقؑ :۔ آیا خواب میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل بھی ہوتے ہو۔!

جابر :۔ اکثر نقل مکان کرتا ہوں۔

جعفر صادقؑ :۔ کس چیز کے ذریعہ سے نقل مکان کرتے ہو۔ کیونکہ یہ تو معلوم ہے کہ اس موقعہ پر چلتے نہیں ہو۔!

جابر :۔ میں اپنی روح کے ذریعہ سے منتقل ہوتا ہوں۔

جعفر صادقؑ :۔ کیا تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ یہ روح تمہاری ہی ہے اور اس کی کوئی علاحدہ شخصیت نہیں ہے۔!

جابر :۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

جعفر صادقؑ :۔ آیا یہ روح جو نقل مکان کرتی ہے تم سے جُدا ہوتی ہے یا نہیں۔!

جابر :۔ مجھ سے جُدا ہو جاتی ہے کیونکہ اگر مجھ سے جُدا نہ ہو تو میں نقل مکان نہیں کر سکتا۔

جعفر صادقؑ :۔ تمہاری روح جو تم سے جُدا ہو کر نقل مکان کرتی ہے کیا غذا بھی کھاتی ہے۔!

جابر :۔ ہاں غذا بھی استعمال کرتی ہے۔

جعفر صادقؑ:۔ آیا پانی بھی پیتا ہے!

جابر:۔ ہاں پیتی ہے۔

جعفر صادقؑ:۔ جس وقت تمہاری روح آب و غذا استعمال کرتی ہے تو کیا تمہارے منہ کے ذریعہ سے کھاتی ہے!

جابر:۔ نہیں۔ کیونکہ میرا منہ عالم خواب میں حرکت نہیں کرتا۔

جعفر صادقؑ:۔ باوجودیکہ اس کے پاس منہ نہیں ہے تم خواب کی حالت میں غذاؤں کا ذائقہ بھی چکھتے ہو۔ مشروب سے لطف اندوز بھی ہوتے ہو۔ بغیر پیروں کے راستہ بھی چلتے ہو۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل بھی ہوتے ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تمہاری روح ایک مستقل زندگی کی مالک ہے اور خواب کی حالت میں زندہ رہنے کے لئے اُسے جسم کی محتاج نہیں ہے۔

جابر:۔ لیکن اگر جسم نہ ہو تو میں خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔

جعفر صادقؑ:۔ تم خواب تو نہیں دیکھ سکتے لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا تمہاری روح بغیر جسم کے باقی نہیں رہتی! میں تمہاری بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ اگر تمہارا جسم نہ ہو تو تم خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن اب میں پوچھتا ہوں کہ آیا خواب دیکھنے کی حالت میں جب کہ تمہاری روح ایک مستقل زندگی کی حامل ہوتی ہے۔ جہاں چاہتی ہے جاتی ہے۔ اور جو چاہے کرتی ہے اس کا وجود قائم رہتا ہے یا نہیں!

جابر:۔ ہاں رہتا ہے۔

جعفر صادقؑ:۔ آیا خواب کے عالم میں روح کی موجودیت اور اس کی مستقل زندگی کے بارے میں تمہیں کوئی شبہ ہے یا نہیں!



جابر:۔ مجھے کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

جعفر صادقؑ:۔ آیا تم حکمت (سائنس) کے اس اصول کو تسلیم کرتے ہو کہ جو چیز وجود میں آجائے وہ فنا نہیں ہوتی!

جابر:۔ ہاں میں اس اصول کو تسلیم کرتا ہوں۔

جعفر صادقؑ:۔ پس تمہاری روح وجود میں آچکی ہے اور تمہیں اس کے وجود میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ تمہاری روح مرنے کے بعد فنا نہیں ہوگی اور چونکہ جس چیز کو تم "میں" جانتے ہو وہ تمہاری روح ہے۔ لہٰذا تمہارا "میں" بھی باقی رہے گا اور تم مرنے کے بعد بھی خود کو پہچانو گے۔

جابر:۔ مجھے اس میں شبہ نہیں ہے کہ خواب دیکھنے کے وقت میری روح موجود ہوتی ہے لیکن یہ موجودیت انفرادی اور مستقل نہیں ہوتی بلکہ طبعی ہے۔ کیونکہ اگر میرا جسم نہ ہو تو میں خواب بھی نہیں دیکھوں گا۔ اور اگر خواب نہ دیکھوں گا تو اپنی روح کا جو مستقل اور مجرد زندگی کی مالک ہے مشاہدہ بھی نہیں کر سکوں گا۔

جعفر صادقؑ:۔ جس وقت آفتاب طلوع ہوتا ہے اور تمہارا سایہ زمین پر پڑتا ہے وہ سایہ طبعی ہوتا ہے یا نہیں!

جابر:۔ طبعی ہوتا ہے۔

جعفر صادقؑ:۔ کس چیز کا تابع ہوتا ہے۔

جابر:۔ دو چیزوں کا۔ اول آفتاب کی روشنی۔ دوم میرا وجود۔ بغیر ان دو چیزوں کے سایہ وجود میں نہیں آتا۔

جعفر صادقؑ:۔ جب اصول حکمت (سائنس) کے مطابق تمہارا وہ سایہ بھی فنا نہیں

ہوتا جو زمین کے اوپر پڑتا ہے اور غروب آفتاب کے بعد بظاہر ختم ہو جاتا ہے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ روح فنا ہو جائے چاہے اس کی زندگی طبعی ہی کیوں نہ ہو۔

اس مکالمہ میں امام معصوم کے نطق سے نکلے ہوئے علوم وہبی کے وہ بیش بہا خزانے ہیں جو علم سائنس کے لئے راہیں روشن کرتے ہیں اور اس مثبت مکالمہ کے بعد زیادہ طوالت میں پڑنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ روح اس مادی جسم کو چھوڑ دینے کے بعد عالم برزخ میں کس طرح مسرور۔ اور شادمان ہو کر دنیاوی قید و بند سے آزاد زندگی گزارے گی۔ دنیا میں عالم برزخ کی مثال خواب کا دیکھنا ہے۔ خواب میں آدمی عجیب و غریب چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ کبھی دیکھتا ہے کہ بہترین اور پر لطف نظاروں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ کبھی دیکھتا ہے کہ آگ کے شعلوں میں جل رہا ہے۔ فریادیں کر رہا ہے۔ لیکن جاگنے کے بعد اپنے قریب کے لوگوں سے پوچھتا ہے کہ میری آواز سنی تھی تو وہ انکار کرتے ہیں۔

اس کے بعد اب ان گمراہ۔ حق سے منحرف۔ ظالموں اور جابروں کی روحوں کا ایک منظر پیش کر دینا بھی ممکن ہو جاتا ہے جو عالم برزخ میں غمگین اور تکلیف دہ حالات میں گزاریں گی۔ جو اپنے ماضی کے بداعمالیوں اور گناہوں پر شرمسار بھی ہوں گی اور عذاب الہٰی میں مبتلا رہیں گی۔ عالم برزخ کی سزاؤں سے گنہگاروں کو نہ تو نجات ہی مل سکے گی اور نہ اس جگہ ان کا کوئی سفارشی ہوگا۔ وہاں پر تو بس قانون قدرت پر ہی عمل ہوگا۔ وہاں قانون قدرت نافذ ہوگا۔ اور حکم کے بجالانے والے ایسے زبردست اور حکم کے پابند ملائکہ ہوں گے جن کے لئے خود قرآن میں آیا ہے کہ وہ ہمارا حکم بجالانے میں ذرہ بھر بھی کوتاہی نہیں کرتے۔ ان سے بھی بُری حالت ہوگی ان ظالموں اور



جباروں کی جن کے ہاتھ مظلومین۔ اور معصومین کے خون سے رنگین ہوں گے اور جن کے خنجر اہل حق کے سینوں میں پیوست ہوئے ہوں گے مظلومین اور اہل حق پر کئے گئے یہ مظالم آخیر وقت میں ان پر انتہائی وحشت ناک طریقہ سے حملہ آور ہوں گے اور پھر انھیں برزخ کے آتشکدوں میں ڈھکیل دیا جائے گا جس کی منظر کشی قرآن حکیم نے اس طرح کی ہے۔

"اور اب تو (برزخ) کی دوزخی آگ ہے کہ وہ (ہر) صبح و شام اس کے سامنے لاکھڑے کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت سے سخت عذاب میں جھونک دو۔" (۴۰۔۴۶) یا "وہ لوگ وہاں سلام کے سوا کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آوازیں آئیں گی۔ اور وہاں پر ان کا کھانا صبح و شام ان کے لئے تیار ہوگا۔" (۱۹۔۶۲)

ان آیات میں برزخی جہنم اور برزخی جنت کا ہی ذکر ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ برزخ اسی زمین پر ہے جہاں تا قیامت صبح بھی ہے اور شام بھی ہے۔ یا پھر۔

"جو لوگ بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اور اسی میں ان کی ہائے وائے چیخ و پکار ہوگی اور وہ لوگ جب تک آسمان و زمین ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔" (۱۱۔۱۰۷)۔ یا

"اور جو لوگ نیک بخت ہیں۔ وہ بہشت میں ہوں گے جب تک آسمان و زمین باقی ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔" (۱۱۔۱۰۸)

ان آیات سے یہ بات مزید ثابت ہو جاتی ہے کہ برزخ کا وجود اسی دنیا میں

ہے۔ جہاں زمین نہ ہے وہ ختم ہونا ہے۔ نہ قیامت آجانے کے بعد نہ تو زمین رہے گی اور نہ یہ آسمان۔ یہ سب ختم ہو گئے تو یہ سورج کی کار فرمائیوں کا نتیجہ ہے۔ جو بعد قیامت اپنی روشنی کھو دے گا اور پھر یہ نظام شمسی درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ روایات معصومین اور ان سے متعلق واقعات بھی اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ برزخ کی جنت اور دوزخ اسی دنیا میں موجود ہیں جہاں مرنے کے بعد تا قیامت رہنا ہوگا۔ مگر انھیں حضرت معصومین کی نگاہیں ہی دیکھ سکتی تھیں۔

حبۂ عرنی کا بیان ہے کہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ "وادی السلام" گیا۔ امامؑ ایک جگہ ٹھہر گئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی سے باتیں کر رہے ہیں۔ میں بھی کافی دیر تک کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ تھک کر بیٹھ گیا۔ بیٹھے بیٹھے بھی تھک گیا تو پھر کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ تھک کر پھر بیٹھ گیا۔ جب بالکل تھک کر چور ہو گیا تو اپنی عبا لے کر امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "مولا میں عبا بچھائے دیتا ہوں آپ تھوڑی دیر آرام فرمائیں مجھے ڈر ہے کہ زیادہ کھڑے رہنے سے کوئی تکلیف پیدا نہ ہو جائے"۔ امامؑ نے فرمایا "اے حبہ اس طرح کھڑے رہنے میں تکلیف نہ ہوگی کیونکہ میں مومنوں سے بڑی خوشگوار باتیں کر رہا ہوں"۔ میں نے عرض کیا "کیا وہ لوگ بھی اسی طرح ہیں"۔ آپ نے فرمایا "ہاں" "اگر تمہاری نگاہوں سے پردہ اٹھا دیا جائے تو تم دیکھو گے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے باتیں کر رہا ہے"۔ عرض کیا "یہ اجسام ہیں یا ارواح" فرمایا "ارواح۔ مومن کو دنیا کے کسی گوشہ میں موت آئے اس کی روح کو حکم ملتا ہے کہ وہ وادی السلام میں آئے"۔ یہ وادی نجف اشرف (عراق) کے عظیم قبرستان وادی السلام کا نام ہے جو زمین پر بہشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ مومنین کی روحیں دور و نزدیک سے



آگر یہیں اکٹھی رہتی ہیں اور جنت کے مزے لیتی ہیں۔

اسی طرح ظالمین، بدکار اور مشرکین کی خبیث روحوں کا مسکن برہوت ہوگا۔ ایسے گنہ گاروں کی روحوں کے رہنے کی جگہ صحرائے برہوت ہے جو ایک ہولناک وادی ہے۔ وہاں نہ گھاس اُگتی ہے اور نہ کوئی پرندہ وہاں سے گزرتا ہے اور یہی بد اعمال روحوں کا مسکن ہے اور اس جگہ آتشِ سوزاں ہے جو برزخی جہنم کی سزا میں باقی رہتی بھگتتا ہے۔ اس سلسلے میں کئی ایک مستند روایت پیش کر دینا ضروری ہوگا۔

ایک روز ایک شخص رسول اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کرنے لگا کہ "یا رسولؐ اللہ میں نے ایک عجیب منظر دیکھا ہے جس کی وضاحت حضور سے چاہتا ہوں"

آپ نے فرمایا "کیا دیکھا ہے" تو اس نے کہا کہ "میری زوجہ جلد کی بیماری میں سخت علیل ہوئی۔ لوگوں نے بتلایا کہ وادی برہوت کے کنویں کا پانی لا کر اسے نہلاؤ اور اس کے لئے استعمال کرو تو یہ صحت یاب ہو جائے گی۔ (بعض جلدی امراض معدنیاتی پانی سے دور ہو جاتے ہیں) چنانچہ میں تیار ہوا اور اپنے ساتھ ایک مشک اور ایک پیالہ لے لیا۔ وہاں پہنچا تو ایک وحشت ناک صحرا دیکھا۔ ہر طرف ہولناک صحرا تھا۔ میں بہت ڈرا مگر اس کنویں کو تلاش کر لیا۔ ابھی مشک کو بھرا ہی تھا کہ ناگہاں اوپر سے زنجیر کی آواز سنائی دی جو نیچے کی طرف آگئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص ہے جو زنجیروں میں بندھا ہوا اوپر سے نیچے کی طرف لٹک رہا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے کہ مجھے پانی پلا دو ورنہ میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ جب میں نے اپنا سر

بلند کیا کہ اسے پانی کا پیالہ دوں تو دیکھا کہ اُسے اوپر کھینچ لیا گیا یہاں تک کہ وہ آفتاب کے قریب پہنچ گیا۔ اور اس طرح تین مرتبہ ہوا تو میں نے مشک کا تسمہ باندھا اور اُسے پانی نہیں دیا۔ میں اس امر سے خوفزدہ ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔" حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ "وہ بدبخت قابیل تھا (حضرت آدم کا بیٹا جس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا) اور وہ روزِ قیامت تک اسی مقام پر عذاب میں مبتلا رہے گا۔ یہاں تک کہ آخرت میں جہنم کے سخت ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔"

"مگر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل کی ترغیب دی تو اس نے
قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا۔" (۵۔ ۳۰)

اگرچہ عالم برزخ کی نعمتیں اور نوازشیں یا عذاب و عقاب صرف روح کے لئے ہیں۔ لیکن روح کے علم۔ ایمان اور عمل کے مطابق اس کا جسد خاکی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اور اکثر قوتِ ایمانی اور اعمال عرفانی کے اثر سے جسم بھی سیکڑوں اور ہزاروں سال بوسیدہ اور مٹی نہیں ہوتا اور تر و تازہ بنا رہتا ہے۔ اور یہ حقیقت شہدائے احد کے سلسلے میں "حقائق القرآن" میں درج کی جا چکی ہے۔ اسی طرح بادشاہ فتح علی کے دور میں ابن بابویہ علیہ الرحمتہ کی لاش جن کو مرے ہوئے نو سال ہو چکے تھے اور جب ان کے قبر کے سرداب کی مرمت ہو رہی تھی تر و تازہ پائی گئی یہاں تک کہ ان کے ناخنوں پر حنا کا رنگ بھی ظاہر تھا۔ اسی طرح "روضۃ الجنات" میں ہے کہ ۱۲۳۸ھ میں بارش کی وجہ سے جب شیخ صدوق رحمتہ کے مقبرے میں رخنہ پڑ گیا تھا اور سرداب کے مرمت کا کام چل رہا تھا تو آپ کا جسم مطہر قبر کے اندر بالکل صحیح و سالم پایا گیا اور اُنکے ناخنوں پر خضاب تک کا اثر



پایا گیا۔ اور ایران کے بادشاہ شاہ فتح علی خود علماء کی ایک جماعت کے ساتھ تحقیق کے لئے آئے اور اس واقعہ کو صحیح پایا۔ چنانچہ بادشاہ نے عمارت کی تجدید اور آئینہ بندی کرائی۔

# قیامت کا پس منظر

"یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا۔ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھَا۔ اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھٰھَا۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰھَا۔ (۷۹۔ ۴۲۔ ۴۵)

"(اے پیغمبر) لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی تو تم اس کے ذکر سے کس فکر میں ہو۔ اس کے واقع ہونے کا وقت تمہارے پروردگار کو ہی معلوم ہے جو شخص اس سے ڈرتا ہے تم اسی کو ڈرا سکتے ہو۔"

قیامت میں ہونے والے حادثات اور واقعات کا ذکر قرآن حکیم میں جگہ جگہ آیا ہے جس کی جدید سائنس کی تحقیق اور دریافت سے کس قدر یکسانیت اور ہم آہنگی ہے اس کا ایک اجمالی تذکرہ میں اپنی کتاب "حقائق القرآن" کے آخری باب "آثار قیامت" میں بھی کر چکا ہوں۔ خالق کائنات کا کوئی بھی کام خالی از مصلحت نہیں ہوتا۔ یوں تو خدا جو خالق علم اور خالق عقل ہے اس کے مقاصد اور امور تک جہالت کی تاریکیوں میں سر مارنے والوں کی رسائی بھلا کب ممکن ہو سکتی ہے اور میں نے بھی اپنی بساط عقل اور خدا کی دی ہوئی توفیقات کے سہارے پر جو کچھ بھی اس سلسلے میں کاوش کی ہے وہ اسی کی دی ہوئی صلاحیتوں اور رہبری کے سہارے سے ممکن ہو سکی ہے۔ میں ایک بار پھر اپنی کوتاہ عقلی، کم مایگی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے خدا سے رہبری کا طالب اور اپنی لغزشوں پر ایک جاہل اور نادار بندہ کی حیثیت سے معافی کا پر یقین امیدوار ہوں۔



قرآن حکیم میں قیامت کے سلسلے میں صور کے دو بار پھونکے جانے کا ذکر کئی جگہ آیا ہے کہیں کہیں اسی واقعہ کو ایک کے بعد دوسرے دھماکے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں پہلے دھماکے یا نفخ صور کا ردعمل یا عملی اثر کیا ہوگا اس کو ذہن نشین کر لینے کے لئے خدائی معجزہ نما کتاب کا سہارا لینا ہوگا۔ جس میں قیامت کی ابتدائی نفخ اور مدارج تفصیل سے ملتی ہیں اور بہت سے رموز اور اشارات کی عقدہ کشائی ہو جاتی ہے۔

قیامت کے پس منظر کو ذہن نشین کرنے کے لئے سب سے پہلے اس وقفہ کا تعین کر لینا ضروری ہے جو ان دو دھماکوں (نفخ صور) کے درمیان حائل ہوگا۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہو رہا ہے کہ۔

"اے رسول، لوگ تم سے عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کبھی وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔ اور تمہارے پروردگار کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی سے ہزار برس کے برابر ہوگا" (۲۲۔ ۴۷)۔ اور اس طرح روز قیامت ان دو نفخ صور کے درمیان مدت میں واقع ہونے والے حادثات، امور اور واقعات کے پیش نظر اگر اس کی انتہائی مدت ایک گھنٹہ بھی مان لی جائے تو یہ وقفہ بھی آیت بالا کی رہبری میں اکتالیس سال چھ مہینہ کے قریب ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں تفصیلی مطالعہ سے ہونے والے واقعات اور ان پر غور و خوض کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پہلے نفخ صور کے بعد رونما ہونے والے واقعات کے پیش نظر اسے "یوم غضب" یا "روز قیامت" اور دوسرے نفخ صور کے بعد ہونے والے واقعات کے پیش نظر اسے "یوم محشر" یا "روز جزا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ "کلام اللہ" مترجم مولانا فرمان علی صاحب

کے ص۲۴۲ پر ایک روایت میں قتادہ سے منقول ہے کہ دونوں نفخ صور کے درمیان کا وقفہ چالیس برسوں کا ہوگا۔

قرآن حکیم میں ان دو نفخوں کا بہت واضح اور تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ اور ان کے بعد پیش آنے والے حادثات اور واقعات کو بھی بڑی وضاحت کے ساتھ کئی جگہ دُھرایا گیا ہے۔

"یہ لوگ ایک چنگھاڑ (صور) کے منتظر ہیں جو انھیں اس وقت لے ڈالے گی جب یہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ پھر نہ تو یہ لوگ نصیحت کر پائیں گے اور نہ اپنے لڑکے بالوں کی طرف لوٹ کر جاسکے گے۔ اور پھر (جب دوبارہ) صور پھونکا جائے گا تو اسی دم یہ لوگ (اپنی اپنی) قبروں سے (نکل نکل کر) اپنے پروردگار کی طرف چل کھڑے ہوں گے اور حیران ہو کر کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم تو پہلے سو رہے تھے۔ ہم کو ہماری قبروں سے کس نے جگا اٹھایا۔ جواب آئے گا کہ یہی تو (روز محشر ہے) جس دن کا خدا نے بھی وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے بھی سچ کہا تھا۔ یہ تو ایک چنگھاڑ ہوگی پھر یکایک سب کے سب ہمارے حضور میں حاضر کئے جائیں گے۔ پھر آج (روز محشر) کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا اور تم سب کو اسی کا بدلہ ملے گا جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے" (۳۶ ـ ۴۹ تا ۵۴)۔

"اور جب (پہلی بار) صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمانوں میں ہیں اور جو لوگ زمین پر ہیں (موت سے) بیہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ مگر ہاں جس کو خدا چاہے (البتہ وہ بچ جائے گا) پھر جب (دوبارہ) صور پھونکا جائے گا تو فوراً سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے" (۳۹ ـ ۶۸)۔



جس دن (نفخ صور کی) ایک دہلا دینے والی آواز آئے گی۔ اس کے بعد (اسی کی) ایک دوسری آواز آئے گی۔ دل اُس دن سخت خوفزدہ ہوں گے۔ آنکھیں ندامت سے جھکی ہوئی ہوں گی۔ (۷۹ ـ ۶ تا ۹)۔

ان آیات میں اس بات وضاحت ہو جاتی ہے کہ پہلے نفخ سور کے بعد قیامت کا ایک ایسا ہولناک منظر ہوگا جب زلزلوں۔ دھماکوں اور تخریبی ہنگاموں سے دل لرز اٹھینگے اور انجام کار ساری خلقت موت کے آغوش میں سو جائے گی۔ اس کے بعد دوسرے نفخ صور کی آواز کے بعد لوگ دوبارہ زندہ ہو کر مضمحل اور سراسیمہ حال میدانِ حشر کی طرف ندامت اور شرمندگی کی حالت میں سر جھکائے ہوئے اپنے خالق کی طرف چل پڑیں گے۔ اس دن ان کو خوف کے بجائے دنیا میں کی گئی بداعمالیوں کے لئے تاسف ہوگا۔ روز جزاء کو جھٹلانے کے لئے ندامت ہوگی اور شرمندگی سے ان کے سر جھکے ہوئے ہوں گے۔ اور اُن کی آنکھیں اُوپر نہ اُٹھ سکیں گی۔ اب رہا یہ سوال کہ پہلے نفخ صور کے بعد وہ کون سی ایسی مخلوق، اور ہستیاں ہوں گی جو زندہ بچی رہیں گی اسے تو خالق مطلق ہی بہتر جانتا ہے جس کی مخلوق کا صحیح علم تو انسان کے ناقص ذہن کو نہیں ہو سکتا۔ اور نہ شاید کبھی ہو سکے گا۔ ممکن ہے اس سے وہ ملائکہ مقربین مُراد ہوں جنہیں اس درمیانی وقفہ میں بھی نظام عالم۔ گردش کائنات۔ میدان حشر اور قیامت آجانے کے بعد دوسرے امور انجام دینے ہوں گے۔ جیسے جناب اسرافیل جنہیں دوسرے نفخ صور تک کے لئے بہر حال زندہ رہنا ہی ہوگا یا جناب عزرائیل جن کا کام بھی ادھورا ہی ہوگا اور پھر یہ قیامت بھی تو اس کائنات کے ایک ننھے سے حصّے اور اس نظام شمسی تک کے لئے ہی محدود ہوگی اور باقی اس کائنات کے

کام تو حسب دستور چلتے ہی رہیں گے۔ قرآن حکیم نے ایک جگہ اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا ہے۔ "ان کی قسم جو آسمان و زمین کے درمیان پھیرتے پھرتے ہیں پھر ایک کے آگے بڑھتے ہیں پھر (کائنات کا) انتظام کرتے ہیں" (۷۹۔ ۲ تا ۵)

واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن حکیم میں دونوں نفخ صور کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ ہر نفخ صور کے بعد پیش آنے والے حادثات اور رونما ہونے والے واقعات کا ذکر بھی قرآن حکیم میں آیا ہے۔ جو کچھ اس طرح سے ہے۔

## ذکر پہلے نفخ صور کا

قرآن حکیم نے پہلے نفخ صور کے تحت پیش آنے والے واقعات کا ذکر اس طرح کیا ہے۔ "پھر جب صور میں (پہلی بار) پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایکبارگی (ٹکرا کر) ریزہ ریزہ کر دئے جائیں گے تو اس روز قیامت آ ہی جائے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا۔ اور وہ اس دن بہت پھس پھسا ہوگا۔" (۶۹۔ ۱۳ تا ۱۶)

"جب سورج کی روشنی لپیٹ دی جائے۔ اور جب تاروں کی روشنی جاتی رہے گی۔ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ (۸۱۔ ۱ تا ۲)

جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے جیسا ہو جائے گا اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی جیسے ہوں گے۔" (۷۰۔ ۸ تا ۹)۔

"جب تاروں کی چمک جاتی رہے گی۔ جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب پہاڑ (روئی کی طرح) اڑے اڑے پھریں گے۔" (۷۷۔ ۸ تا ۱۰)۔



قیامت کے سلسلے میں اس طرح کی آیات کی رہبری میں قیامت میں پیش آنے والے سانحات کی تفصیلات اور ان کے علمی اور سائنسی جواز "حقائق القرآن" کے تحت آثار قیامت کے تحت پیش کئے جا چکے ہیں جس میں زلزلوں اور بھونچالوں کے آنے۔ سیاروں کے ایک دوسرے سے ٹکرانے پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے اور روئی کی طرح اڑتے پھرنے۔ آسمان کے پگھلے ہوئے تانبے کی شکل ہو جانے اور پھر تانبے کی طرح سرخ ہو جانے۔ سمندروں اور دریاؤں میں آگ لگ کر خشک ہو جانے کے علمی اور سائنسی جواز دلائل کے ساتھ پیش کئے جا چکے ہیں جو انتہائی واضح اور قابل قبول ہیں۔

مشہور ماہر افلاکیات نکولاس کامیلے فلے ماریں۔ NicolasCammille Flammarion رقمطراز ہے کہ "اس کرہ ارض کی حرکت و عمل اور اس کی بقا نظام شمسی کی قوت جاذبہ عاملہ اور قوت مرکزی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ یہی قوت جاذبہ تمام عالم کے ذرات سے لے کر ستاروں تک کو ایک دوسرے سے مربوط کئے ہوئے ہے۔ اس طرح قوت مرکزیہ ہی ہے جو ان کی حرکتوں کو منظم کئے ہوئے ہے۔ لیکن آخر کار ایک دن اس نظام شمسی کو فنا ہونا ہی ہے۔ اور ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب اس کی زندگی ختم ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں اس نظام شمسی کے تمام سیارے بھی فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے اور ایک دن قیامت آ جائے گی۔"

غور کرنے پر قرآن حکیم بھی ان سارے علمی اور سائنسی حقائق کی تائید کرتا ہے۔ یہ ایک عالمی حقیقت ہے کہ یہ موجودہ نظام عالم آخر ایک دن عظیم حادثہ سے دوچار ہوگا اور اس جہان میں انسانی کاوشیں تحقیق اور دریافتیں جو تمیل کی

RAJANI H... ALI A'GAR ALI



طرف تیزی سے رواں ہیں اور انسان ایک کے بعد دوسری تسخیر کی فکر میں لگے ہوئے ہیں ان کی یہ کاوشیں اور کامیابیاں ایک دن ختم ہو جائیں گی۔ ایک دن سورج اپنی مرکزی کششِ ثقل کھو دے گا۔ پھر اس نظام شمسی کے تمام سیارے بھی اپنی کششِ ثقل کھو کر بے قابو ہو جائیں گے۔ ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے۔ عظیم دھماکے ہوں گے اور پھر یہ دنیا روز قیامت تتر بتر ہو کر فنا کے آغوش میں چلی جائے گی۔ قیامت کی بنیادی وجہ تو یہی نظر آتی ہے کہ ایک دن سورج کا ایندھن ختم ہو جائے گا۔ پھر وہ سُرخ ہو کر "سُرخ افریت" ہو جائے گا اس کی کششِ ثقل ختم ہو جائے گی اس کی اندرونی اور بیرونی میکانیکی گردش معدوم ہو جائے گی۔ اس کے بعد ہر طرف ابتری اور زلزلوں کا ہنگام ہو گا۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح سے بھُس بھُسے ہو کر اُڑتے پھریں گے۔ پانی کے مرکبات آکسیجن اور ہائیڈروجن اپنی واحد اور ذاتی خصوصیات کی طرف لوٹیں گے جس کے نتیجہ میں سمندر میں آگ لگ جائے گی جس کے نتیجے میں سارے دریا خشک ہو جائیں گے۔ سورج کے سرخ ہو جانے کی وجہ سے آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی شکل کا اور لال نری کی طرح سرخ ہو جائے گا۔ ان کی تفصیلات اور ان کے سائنسی جواز "حقائق القرآن" میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ اور پھر زمین اپنے خالق کے حکم سے اپنے اندر مدفون ساری لاشیں۔ ہڈیاں اور پنجر یہاں تک کہ اپنے اندر چھپے ہوئے سارے دفینے باہر نکال دے گی۔

خداوند کریم نے اس بات کی آگاہی بھی قرآن حکیم میں جگہ جگہ دے دی ہے کہ یہ نظام کائنات محض ایک معینہ مدت تک کے لئے ہی ہے جسے نہ دوام ہے اور نہ



ہمیشگی۔ کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں "اتنا بھی غور نہیں کیا کہ خدا نے آسمان اور ان کے درمیان ہر چیز کو ٹھیک اور مقررہ مدت کے لئے ہی پیدا کیا ہے اور لوگ تو اپنے پروردگار کے بارگاہ کی حضور کو ہی نہیں مانتے" (۳۰۔۸)

"ہم نے تو سارے آسمان و زمین اور جو ان دونوں کے درمیان ہے حکمت ہی سے ایک خاص وقت کے لئے پیدا کیا ہے۔" (۴۶۔۳)

اس کے بعد اس سلسلے کی ایک انتہائی اہم عالمانہ اور حکیمانہ آیت کا پیش کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ جس میں مدفون اجساد انسانی ان کی کرم خوردہ اور کھائی ہوئی ہڈیوں اور پنجروں کا تذکرہ ہے۔ کہ کس طرح ان عظیم زلزلوں اور بھونچالوں کے نتیجے میں یہ سارے انسانی پنجر اور ہڈیاں زمین کے پھٹنے اور تہہ و بالا ہونے کے نتیجے میں باہر نکل آئیں گی اور پھر ہر طرف ہڈیوں کے ڈھانچے ہی ڈھانچے نظر آئیں گے اور اس طرح زمین زیر فرمان الٰہی اپنے سارے دفینے نکال کر باہر ڈال دے گی۔

"زمین (جب) بڑے زوروں کے ساتھ زلزلے میں آ جائے گی اور اپنے اندر کے سارے بوجھ (مردے اور معدنیات وغیرہ) نکال ڈالے گی۔" (۹۹۔ ۱تا۲)۔

"جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔" (۸۲۔۴)۔

"پھر وہ قبروں سے اس طرح نکلیں گے گویا پھیلی ہوئی منتشر ہڈیاں ہیں (اور) ہر طرف بکھرے پڑے ہونے کا منظر" (۵۴۔۷)۔

"جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے پروردگار کا حکم سن لے گا۔ اور ہونا بھی یونہی چاہئے۔ اور جب زمین تان دی جائے گی اور جو کچھ اس میں ہے (انسانی

پنجر اور دفینے) باہر نکال کر خالی ہو جائے گی۔ اور اپنے مالک کا حکم سن لے گی اور ہونا بھی یونہی چاہیے (تب قیامت آجائے گی)" (۸۴۔۱ تا ۵)

قرآن حکیم نے جگہ جگہ قیامت کی ہنگامہ خیزیوں کا ذکر کچھ اس انداز سے کیا ہے کہ پہلے نفخ صور کے بعد کے سارے سانحات نگاہوں کے سامنے پھرنے لگتے ہیں۔

"کھڑکھڑانے والا (واقعہ) کیا ہے۔ وہ کھڑکھڑانے والا (واقعہ) اور تم کیا سمجھے ہو وہ کھڑکھڑانے والا واقعہ کیا ہے۔ وہ (ایسا) دن ہے جس دن آدمی ایسے ہو جائیں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے (مُردہ انسان اپنی اپنی قبروں سے نکل کر باہر اس طرح پڑے ہوں گے جیسے بے جان اور مردہ پتنگے)۔ پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی اون (مختلف رنگ کے پہاڑوں کا ٹکرا کر اور چکنا چور ہو کر مختلف رنگوں کے اون کی طرح) پھُس پھُسے ہو کر (ہر طرف) پھیل جائیں گے۔"

(۱۰۱۔۱ تا ۱۴)۔

پہلے نفخ صور کے بعد سورج اور پھر سارے سیارے اپنی روشنی کھو دیں گے اور سورج کے معطل ہو جانے کے نتیجے میں اس نظام شمسی کے تمام سیارے اپنی کشش ثقل مرکزی اور کشش ثقل باہمی کھو دیں گے اور وہ سب بے قابو ہو کر ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے۔ یہ ٹکریں اس قدر زبردست ہوں گی کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر دھنکے ہوئے رنگین اور سفید روئی کی طرح سے پھُس پھُسے ہو کر ہر طرف بکھر جائیں گے اور پھر اس ہولناک صدمہ اور حادثہ کے نتیجے میں ساری خلقت موت کے آغوش میں چلی جائے گی۔ زمین کو عظیم زلزلے اور جھٹکے آئیں گے اور وہ اس طرح جھنجھوڑ دی



جائے گی کہ اس کے اندر کے سارے مُردے۔ ہڈیاں۔ پنجر۔ دفینے اور معدنیات باہر نکل کر بکھر جائیں گے۔ اس میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں رہ جائے گی جس کا تعلق سطح زمین یا اعضاء جسمانی سے ہو۔

اس افراتفری زلزلوں اور ہنگاموں میں جب کہ اس نظام شمسی کے دوسرے سیارے بھی بے قابو ہو کر زمین سے ٹکرا رہے ہوں گے۔ پہاڑ روئی کے گالوں اور دھنکی ہوئی اون کی طرح سے منتشر ہو رہے ہوں گے لیکن ان سب ہنگامہ خیزیوں اور انتشار میں بھی جب کہ ہر چیز بے ترتیب نظر آ رہی ہوگی ایک فطری ترتیب ہوگی۔ اس بد نظمی میں بھی ایک قوی اور حکیمانہ نظام ہوگا۔ اس ظاہری بے ربطگی میں بھی ایک منظم ربط ہوگا۔ اور قیامت کی ساری قیامت خیزیاں تابع فرمان الٰہی ہوں گی۔ ہر عمل اس کی مرضی کے مطابق اور ہر فعل اس کے مقصد کے عین مطابق ہوگا اور اس طرح اس روز کے انہدام اور افراتفری پر بھی خالق جبار و قہار کا مکمل تسلط اور غلبہ ہوگا۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں انتہائی مدبرانہ انداز میں آیا ہے: "(وہ ایسا قادر ہے) کہ قیامت کے دن ساری زمین (گویا) اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان (گویا) اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے"۔ (۳۹۔۶۷)

## پہلے اور دوسرے نفخ صور کا درمیانی وقفہ

:۔ پہلے نفخ صور کے تحت عمل میں آنے والے سارے اعمال قیامت کے اختتام کو پہنچ جانے کے بعد قادر مطلق کے ارشاد کے مطابق زمین بلکل ہموار کر دی جائے گی۔ پھر نہ اس میں کوئی پستی نظر آئے گی اور نہ بلندی اور نہ کہیں پر کوئی رخنہ "(اور اے رسولؐ) تم سے یہ لوگ پہاڑوں

کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ قیامت کے دن کیا ہوں گے)۔ تو کہہ دو کہ میرا پروردگار انھیں ریزہ ریزہ کر کے اڑا ڈالے گا۔ اور پھر زمین ایک چٹیل میدان کر چھوڑے گا۔ نہ تو اس میں کوئی موڑ دیکھے گا۔ نہ اونچ نیچ" (۲۰۔۱۱۰ تا ۱۱۲)۔

اور پھر مسطح اور ہموار زمین پر ہر طرف اس وقت انسانی لاشیں۔ قبروں سے اکھاڑ پھینکی ہوئی مُردوں کی ہڈیاں اور ڈھانچے اور سارے دفینے بکھرے ہوں گے۔ ایک مدت دراز مگر مدت معینہ تک کے لئے جو قرآن حکیم کے مطابق تو ایک دن کا ہی ہوگا مگر عالم بالا کا وہ ایک دن ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔ مولانا فرمان علی قبلہ کے قرآن مترجم ص۳۴۳ میں منقول ہے کہ یہ عرصہ چالیس برس کا ہوگا اور تفسیر و مترجم مولانا سید مقبول احمد قبلہ کے تفسیری قرآن مجید جلد ۲ ص۲۴۲ کے مطابق "تفسیر قمی" میں ہے کہ حضرت زین العابدینؑ سے دریافت کئے جانے پر کہ مولا ان دونوں نفخوں کے درمیان کتنا وقفہ ہوگا تو آپ نے فرمایا "کہ جتنا اللہ چاہے"۔ عرض کی گئی کہ فرزند رسولؐ یہ تو بتلا دیجئے کہ صور پھونکا کیونکر جائے گا تو آپ نے فرمایا کہ "پہلی مرتبہ صور پھونکے جانے کی صورت یہ ہے کہ خدا (اسرافیل) کو حکم دے گا کہ وہ صور لے کر دنیا میں اتریں۔ اس صور کا سرا تو ایک ہوگا مگر اس کے رُخ دو ہوں گے اور دونوں رخوں کے مابین اتنا فاصلہ ہوگا جتنا آسمان اور زمین کا۔ جس وقت فرشتے دیکھیں گے کہ اسرافیل صور لئے ہوئے دنیا میں اتر آئے تو وہ کہیں گے کہ اب زمین والوں اور آسمان والوں (نظام شمسی کے سارے سیاروں) کی موت آگئی۔ پس اسرافیل بیت المقدس کے خطیرہ میں اتریں گے اور کعبہ کی طرف رُخ کر کے استادہ ہوں گے۔ جب زمین پر رہنے والے انھیں دیکھیں گے تو وہ کہیں گے



کہ خداوند تعالیٰ نے زمین پر رہنے والوں کی موت کا حکم دے دیا۔"

نفخ صور پہلا ہو یا دوسرا اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ سورج کا بے نور ہو کر سُرخ ہو جانا اور پھر اپنے سے ڈھائی سو گنا بڑا ہو کر سرخ افریت Redgiant ہو جانا۔ دریاؤں میں آگ لگ جانا اور اس کے بعد خشک ہو جانا۔ سیاروں کا ابن کشش کھو دینا۔ اور پھر ان کا بے قابو ہو کر ایک دوسرے سے اور زمین سے ٹکرانا۔ یہ قیامت کا ہنگامہ۔ پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا۔ زمین پر عظیم زلزلوں کا آنا اور ان کے جھٹکوں کے نتیجے میں مردوں۔ ہڈیوں اور ڈھانچوں کا باہر آنا یہ سب نفخ صور کا رد عمل یا اس کی وجہ سے ہوگا۔ بلکہ ان سب تخریبات کے علمی اور سائنسی وجوہات ہوں گے جو فرداً فرداً حقائق القرآن میں واضح کئے جا چکے ہیں۔ غور کرنے پر ایک ہی صور کے دوبار بجنے کے دو مختلف اور متضاد اثرات نظر آتے ہیں۔ پہلے صور کے بعد قیامت کی ہنگامہ خیزیاں۔ موت کے طوفانی جھکڑ اور ہر طرف تخریب کاریاں نظر آتی ہیں تو دوسرے صور کی آواز کے بعد تعمیر نو۔ زندگی۔ میدان حشر کا اژدھام۔ نور اور قدرت کی کارفرمائیاں۔

غور کرنے پر نفخ صور کا مقصد عیاں ہو جاتا ہے کہ جس طرح کسی خصوصی پروگرام اور امدادی کام کا آغاز بگل کی آواز کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یا جس طرح کسی خصوصی تقریب یا کھیل کی ابتدا ڈھول کے یا قرنا کی آواز کے ساتھ کی جاتی ہے یا ابتدا کرنے کے لئے سیٹی بجائی جاتی ہے اسی طرح صور کی پہلی آواز سے آغاز قیامت اور صور کی دوسری آواز سے آغاز حشر و نشر کا اعلان ہوگا جسے حضرت اسرافیل بجا کر دیں گے اور اس طرح پہلا نفخ صور قیامت اور ہلاکت کی ابتدا کے لئے اور اس کے بعد دوسرا

صور آغاز حشر کے لئے خدا کی مرضی اور منشاء کے مطابق پھونکا جائے گا۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ زمین پر قائم سارے پہاڑ چکنا چور ہو کر ریت اور دھنکی ہوئی روئی اور رنگین اون کی طرح منتشر ہو کر زمین پر پھیل جائیں گے۔ دریا میں خشک ہو جائیں گی۔ زمین پر نہ کہیں رخنہ ہوگا اور نہ کہیں کسی طرح کی بلندی اور پستی ہوگی۔ وہ ہر طرف مسطح اور ہموار ہو جائے گی۔ ہر طرف دفینوں کے ڈھیر لگے ہوں گے انسانی ڈھانچوں اور ہڈیوں کا نظارہ ہوگا۔ اور یہ موت اور سناٹے کا عالم ایک مدت معینہ تک قائم رہے گا۔ اس وقت نہ کوئی زندہ ہوگا اور نہ کہیں زندگی کے آثار ہوں گے۔ ساری دنیا پر خالق کائنات کی حکومت ہوگی۔ اس کی عظمت اور جلالت ہوگی اور پھر "لمن الملک الیوم" کی ایک لرزا دینے والی آواز گونج اٹھیگی۔ جواب دینے والا کوئی نہ ہوگا۔ اور پھر ایک مدت معینہ کے بعد لسان قدرت خود ہی جواب دے گی۔ "ﷲ الواحد القہار ... میں نے ہی انھیں مقہور کیا۔ میں نے ہی ان کو موت دی۔ میں نے ہی اپنی قدرت سے انھیں پیدا کیا۔ میں نے ہی اپنی مشیت سے انھیں موت دی۔ اور اب میں اپنی قدرت کاملہ سے ان کو دوبارہ زندہ کرتا ہوں۔

اور اس کے بعد خدا کے حکم سے دوسرا صور پھونکا جائے گا...!!

قرآن حکیم میں کئی جگہ آیا ہے کہ مرنے کے بعد تم دوبارہ ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ یہ ہمارا وعدہ اور پختہ ارادہ ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ قیامت اور حشر نشر پر ایمان رکھنا ہر مومن کا فرض ہے۔

"اسی نے تم کو پیدا کیا۔ پھر وہی تم کو موت دے گا۔ پھر وہی تم کو دوبارہ زندہ کرے گا" (۲-۲۸)۔



جب ہم آسمان کو اس طرح سمیٹ دیں گے جس طرح خطوط کا طومار لپیٹا جاتا ہے۔ جس طرح ہم نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے یہ (وعدہ) ہے۔ جس کا کرنا ہم پر لازم ہے" (۲۱-۱۰۳ تا ۱۰۴)

اس دنیا سے متعلق ایک انتہائی اہم حقیقت کا انکشاف قرآن حکیم کی آیات اور احادیث سے ہوجاتا کہ یہ دنیا لاکھوں اور کروڑوں سال پرانی ہے اور اس دنیا میں ہمارے بابا آدم سے پہلے بھی بہت سارے آدم اور ان کی نسلیں آباد ہوتی آئی ہیں اور یہ ہمارے بابا آدم اور ان کی نسل اس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ پھر اس کے بعد یہ دنیا دوبارہ آباد ہونے کے لائق ہی نہیں رہ جائے گی کیونکہ تخریب اور تعمیر کی ایک عمر طبیعی ہوا کرتی ہے۔ جس کی وضاحت قرآن حکیم نے بھی کردی ہے۔

"کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ خدا کس طرح مخلوقات کو پہلے پہل پیدا کرتا ہے۔ پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ یہ تو خدا کے نزدیک بہت آسان ہے (اے رسول ان لوگوں سے کہہ دیجئے) کہ روئے زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ خدا نے کس طرح پہلے پہل مخلوق کو پیدا کیا۔ (پھر اسی طرح) خدا (روز محشر) آخری پیدائش پیدا کرے گا"۔

(۲۹-۱۸ تا ۳۰)

اس کے بعد انسان کے دوبارہ زندہ ہو اٹھنے پر غور و فکر کرنے کے لئے جدید علوم و سائنس کے لئے بھی راہیں روشن ہوجاتی ہیں کہ خدا بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ کیونکر اکٹھا کرے گا اور ان خاکستر ہڈیوں میں جان کیونکر ڈالے گا۔ جس کی طرف قرآن حکیم نے انتہائی واضح انداز میں راہبری کی ہے۔

"میں روز قیامت کی قسم کھاتا ہوں (تم دوبارہ) زندہ ضرور کئے جاؤ گے۔

ہم اس پر قادر ہیں کہ بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ جمع کر دیں۔" (۷۵۔ ا تا ۴)

انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے کے سلسلے میں قرآن حکیم کی بہت سی آیات انتہائی اہم اور قابل غور ہیں۔ اس کی بہت سی پُر از حکمت آیات میں جن جن مقامات پر انسان کے دوبارہ زندہ کرنے کا ذکر ہے ہر جگہ بارش کے پانی، مُردہ اور بنجر زمینوں میں دبی ہوئی سوکھی خشک بیجوں کے جی اٹھنے کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ اور تمثیلاً آیا ہے۔ اور آب باراں کے ذریعہ سے بنجر اور مُردہ زمینوں میں پڑی ہوئی دبی دبائی خشک اور حقیر بیجوں سے پودوں، درختوں اور سبزہ زاروں کے اُگنے اور مُردہ زمینوں کے دوبارہ زندہ اور ہرے بھرے ہو اٹھنے کا مثالی تذکرہ بھی آیا ہے۔ جس سے اس بات کی وضاحت آسانی سے ہو جاتی ہے کہ جس طرح پودوں درختوں اور سبزہ زاروں کا اُگنا بارش کے کیمیاوی ردّعمل کا نتیجہ ہوتا ہے اور جس طرح بارش کا پانی عرصہ دراز سے زمینوں میں دبی ہوئی خوابیدہ اور مُردہ بیجوں تک پہنچ کر ان میں قوت نمو پیدا کر دیتا ہے اور کسی کیمیاوی ردّعمل کے تحت وہ پھر سے زندہ ہو اٹھتی ہیں۔ اسی طرح ایک مخصوص کیمیاوی اثر رکھنے والے پانی کی بارش سے انسان کے اندر چھپی ہوئی "تخم لازوال" سے انسان بھی دوبارہ زندہ ہو اٹھینگے۔

"یہاں تک کہ جب ہوائیں (پانی سے بھری ہوئی) بوجھل بدلیوں کو لے اڑیں۔ تو ہم انھیں کسی شہر کی طرف (جو گویا مر چکا تھا) ہنکایا۔ پھر ہم نے اس پانی سے ہر طرح کے پھل زمین سے نکالے۔ ہم (روز محشر) اسی طرح زمین سے مُردوں کو باہر نکال لیں گے۔ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔" (۷۔ ۵۷ تا ۵۸)

"ہم بادلوں کو شہر کی طرف ہنکال دیتے ہیں۔ پھر ہم اس کے ذریعہ سے زمین کو اسکے



مردہ ہونے کے بعد پھر سے (دوبارہ) زندہ کر دیتے ہیں۔ (اسی طرح) مردوں کو روز محشر جلا اٹھانا ہوگا۔" (۳۵۔ ۹)۔

"جس طرح خدا نے (مردہ) زمین کو زندہ کیا۔ یقیناً وہ مردوں کو روز محشر جلا اٹھائے گا۔" (۴۱۔ ۳۹)۔

جدید علم سائنس نے اپنی تحقیق اور دریافت سے بھی جو نتیجے حاصل کئے ہیں اور ہمارے آئمہ طاہرین نے جو بھی فرمایا ہے وہ قرآن حکیم کے ارشادات کے عین مطابق ہے۔ جس کا ایک اجمالی جائزہ اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔

"احتجاج طبرسی اور تفسیر قمی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ اپنی مخلوق کو مبعوث فرمائے تو چالیس دن تک متواتر آسمان سے زمین پر پانی برسائے گا۔ جس کے ذریعہ سے بکھری ہوئی ہڈیوں کے جوڑ باہم مل جائیں گے اور گوشت اُگ آئے گا۔" اسی طرح امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ "صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلی مرتبہ صور پھونکے جانے کے بعد اور ساری مخلوق کے موت کے آغوش میں سو جانے کے بعد خداوند تعالیٰ اُس سمندر کو (جس کو آپؑ نے "بحر المسجور" فرمایا ہے اور جس کا پانی ایسا لسدار ہے گویا مادّہ منویہ) بارش کا حکم دے گا۔

پس جب یہ پانی پُرانے سے پُرانے مردوں کو چھو جائے تو وہ مُردے زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں گے۔" اس طرح مسجور اور بارش کے پانی کی معصومین تعلیمات کے تحت ایک علمی اور دانشورانہ موافقت ہے۔ علم سائنس کے نظریہ کے تحت بیجوں والا لفظ انتہائی اہم اور غور طلب ہے۔ جس طرح بارش کے پانی سے درختوں اور نباتات کے بیج اپنی قوت نمو کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں اسی طرح انسان کے دوبارہ زندہ ہو اٹھنے کے

مقصد سے خدا اپنی منشار کے مطابق ایک مخصوص بارش کرے گا جو جسم انسانی کے کسی مخصوص حصّے میں پوشیدہ "تخم لازوال" پر اپنا کیمیاوی اثر کرے گی۔ اس ارشاد پروردگار سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جسم انسانی میں کوئی ایک مخصوص چیز (جزو بدن) ضرور ہوتی ہے جو نہ تو کبھی ضائع ہوتی ہے نہ اسے زمین ختم کر سکتی ہے اور نہ وہ جزو حشرات الارض کی خوراک بن سکتی ہے۔ یہاں تک کہ لاکھوں اور کروڑوں سال زیر زمین رہ کر بھی فنا نہیں ہوتی اور اس حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے واضح طور سے ارشاد کیا ہے۔

"بھلا جب ہم مرجائیں گے اور سڑ گل کر مٹی ہو جائیں گے تو پھر یہ دوبارہ زندہ ہونا (عقل سے) بعید ہے ان کے جسموں سے زمین جس جس چیز کو (کھا کھا کر) کم کرتی ہے وہ ہم کو معلوم ہے۔ اور یہ حقیقت تو ہمارے پاس تحریری یادداشت (لوح محفوظ) میں درج ہے۔" (۵۰۔ ۳ تا ۴)۔

اس آیت میں خالق کائنات کا واضح ارشاد ہے کہ زمین تمہارے جسموں سے جن جن چیزوں کو کھا لیتی ہے وہ مجھے معلوم ہے اور جس چیز کو نہیں کھا پاتی وہ بھی مجھے معلوم ہے اور یہ اس قدر اہم علمی معلومات ہے جو یادداشت کے طور پر لوح محفوظ میں بھی درج ہے اور تحریری شکل میں بھی محفوظ ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے جسم میں اس کا کوئی ایک ایسا انتہائی اہم جزو ہوتا ہے جو نہ تو کبھی فنا ہوتا ہے۔ نہ اسے زمین ضائع کر سکتی ہے اور نہ اسے حشرات الارض کھا کر ختم کر سکتے ہیں اور اسی جزو بدن کو "تخم انسانی" یا تخم حیات کہہ سکتے ہیں۔!!

میرے عقلِ ناقص ادراک ناتواں نے اس کا نام "تخم لازوال" دیا ہے۔ اور پھر



ایک مقررہ وقت پر آب مسجور کا اُن تخم حیات تک پہنچ جانا بھی ممکن اور لازمی ہو جائے گا جب زمین ان تخم لازوال کو اُن کے پُرانے اور دیرینہ مدفنوں سے باہر نکال چکی ہوگی اور آب مسجور کی بارش بھی لگاتار چالیس دنوں تک ہوتی رہے گی۔

انسان کے دوبارہ زندہ ہو اُٹھنے کی مثال نباتات اور پودوں کے بیجوں سے دے کر خداوند کریم نے اس رمز کی عقدہ کشائی کی ہے کہ جسم انسانی میں بھی ایک تخم لازوال ہوتی ہے جسے نہ تو زمین کھا پاتی ہے اور نہ اس پر عناصر اربعہ کا تجہ کوئی اثر ہو سکتا ہے۔ یہ تخم لازوال آب مسجور کی قربت اتصال سے اپنی قوت جاذبہ اور اپنے اندر دبی ہوئی قوت نمو اور قوت حیات کے ساتھ بیدار ہو جائے گی اور اپنے جسم کے دوسرے اعضار اور اس کی مٹی کو خواہ وہ کہیں بھی ہو گی اپنی طرف مائل کر لے گی جنھیں آب مسجور دوبارہ متحد کر کے پہلی جیسی حالتوں میں لا چکا ہوگا۔ اور اس طرح خدا کی قدرت کاملہ سے لاکھوں سال پُرانے مُردے اپنی پہلے جیسی اور بہترین صورتوں میں دوبارہ واپس آسکیں گے اور زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ شاید اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت علیؑ نے فرمایا ہے۔ "جب سلسلۂ امور ٹوٹ جائے گا۔ زمانے گزر جائے گے۔ یوم نشور قریب آئے گا تو خدا لوگوں کو قبروں سے۔ پرندوں کے گھونسلوں سے۔ درندوں کے بھٹوں سے۔ ہلاکت گاہوں سے اس طرح نکالے گا کہ اس کے حکم کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔ باجماعت۔ صف در صف۔ کھڑے ہو کر۔ خاموشی کے ساتھ اس کے معاد کی طرف چل رہے ہوں گے اور سرنگوں ہوں گے حیلے بیکار ہو چکے ہوں گے۔ آوازیں کانپ رہی ہوں گی۔"

(نہج البلاغت)

## تخم لازوال

"تخم لازوال" حیات بعدازموت کے سلسلے کی ایک انتہائی اہم کڑی ہے جس پر قرآن حکیم کے اشارات اور احادیث معصومینؑ کی رہبری میں موجودہ میڈیکل سائنس کا مطالعہ کرنے کے بعد بڑے مدلل نتیجے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ میں نے اپنی آزادیٔ فکر کو بروئے کار لاتے ہوئے اس سلسلے میں جو بھی نتائج اخذ کئے ہیں انھیں اپنی کوتاہ عقلی اور کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے قارئین کی خدمت میں انتہائی معذرت کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ میرا خدا میری اس کاوش جاہلانہ اور دلائل احمقانہ کے لئے مجھے ضرور معاف فرمائے گا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآن حکیم کی ان آیات حکیمانہ کا حوالہ دینا ضروری ہوگا جو اس حقیقت کی طرف انتہائی واضح الفاظ میں رہبری کر رہی ہیں۔ "پھر جب ہم مرجائیں گے اور (سڑ گل) کر مٹی ہو جائیں گے تو پھر یہ دوبارہ زندہ ہونا (عقل سے) بعید بات ہے۔ ان کے جسموں سے زمین جس جس چیز کو کم کرتی ہے (ختم کر دیتی ہے) وہ ہم کو معلوم ہے۔ اور ہمارے پاس تو تحریری یادداشت کتاب (لوح محفوظ) میں موجود ہے۔" (۵۰۔۲ تا ۴)۔

ان آیات پُر از حکمت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے جسم کا کوئی عضو یا جُز ایسا ضرور ہے جسے نہ تو حشرات الارض کھا کر ختم کر سکتے ہیں اور نہ زمین ہی ضائع کر سکتی ہے۔ اور نہ یہ زمانہ کے ساتھ مائل بہ فنا ہوتے ہیں۔ اسی سورہ میں آگے چل کر ہماری رہبری ان الفاظ میں ہوتی ہے۔

"اور پانی سے ہم نے مردہ شہر (بنجر زمین) کو زندہ کیا (بیجوں سے پودے اگائے)



اسی طرح (روزِ محشر) مُردوں کو اٹھانا ہوگا۔" (۵۰۔۱۱) اس آیت گرامی میں نباتات کے بیجوں کا ذکر کرتے ہوئے انسان کی اُس "تخم لازوال" کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ پھر اسی سورہ میں آگے چل کر انسان کے دوبارہ زندہ ہو اٹھنے کا خصوصیت کے ساتھ اعلان ہو رہا ہے۔

"تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں (ہرگز نہیں) مگر یہ لوگ تو ازسرِنو (دوبارہ) پیدا کرنے کی نسبت شک میں پڑے ہوئے ہیں۔" (۵۰۔ ۱۵)

قرآن حکیم کی پُر از حکمت آیات سے بنیادی رہبری حاصل کر لینے کے بعد وجود انسانی اور اس کے متبع زندگی کی طرف بھی قرآن حکیم نے مندرجہ ذیل آیات میں رہبری کی ہے۔

"انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔ وہ اچھلتے ہوئے پانی (نطفہ) سے پیدا ہوا ہے جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے بیچ سے نکلتا ہے۔ بے شک خدا ان کے دوبارہ (پیدا کرنے) کی قدرت رکھتا ہے۔" (۸۶۔ ۶ تا ۸)۔

اس سلسلے میں علم سائنس اور جدید علم طب کے نظریات بھی قرآن حکیم سے متفق نظر آتے ہیں۔ زمانہ قدیم نے بقراط جو اپنے زمانہ کا نامی حکیم گزرا ہے اس کا قول ہے کہ مادۂ منویہ دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہاں سے دو رگوں کے ذریعہ سے جو کانوں کے بیچ میں سے ہو کر حرام مغز میں آتی ہے۔ پھر جگر کے دو رگوں سے جو حرام مغز سے ملی ہوئی ہوتی ہیں ہو کر گردوں میں آتی ہے اور اس طرح یہ سلسلہ وار ہوتی ہوئی مخارج سے باہر آتی ہے۔ دورِ قدیم میں نہ تو میڈیکل سائنس اس قدر وسیع تھی اور نہ ہی اس علم میں آج کے موجودہ دور کی طرح تحقیق اور دریافت ہی حاصل ہو پاتی تھی۔

لیکن موجودہ دور میں جب کہ میڈیکل سائنس اپنے انتہائی عروج تک پہنچ چکا ہے اور اس میں آئے دن نئی نئی دریافتیں ہو رہی ہیں وہ سب قرآن حکیم سے مکمل اتفاق کرتی نظر آ رہی ہیں اور موجودہ میڈیکل سائنس کا نظریہ بھی یہی ہے کہ مادہ منویہ ہر عضو بدن سے جدا ہو کر دماغ میں اکٹھا ہوتا ہے۔ اور وہاں سے حرام مغز میں ہوتا ہوا گردوں میں آتا ہے۔ پھر گردوں میں پختہ ہو کر خون کی شکل میں تھیمین میں آتا ہے۔ اور وہاں سے مادہ منویہ (نطفہ) بن کر باہر نکلتا ہے۔ قرآن حکیم بھی انھیں بنیادی تعلیمات کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ جس کی آیات کے مطابق بھی گردے اور حرام مغز کی مادہ منویہ کے پخت ریز ہونے کی جگہیں ہیں اور گردوں اور حرام مغز کے پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور اس کا منبع جدید میڈیکل سائنس کے مطابق بھی دماغ ہی ہے۔ جس کا تفصیلی جائزہ لینے سے پہلے قرآن اور احادیث معصومینؑ کی رہبری میں اس مقام مخصوصہ کا تعین کرنا ضروری ہوگا۔

قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کی خواہش پر خداوند کریم کے پرندوں کو دوبارہ زندہ کر دینے والی آیات انتہائی غور طلب اور نتیجہ خیز ہیں۔ اور ہماری اس کاوش میں راہ نمائی بھی کر رہی ہیں۔

"(اے رسولؐ وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ابراہیم نے (خدا سے) درخواست کی کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھلا دے کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا۔ تو خدا نے فرمایا کہ کیا تمہیں (اس کا) یقین نہیں ہے۔ ابراہیم نے عرض کی کہ (اے میرے پروردگار یقین تو ہے مگر آنکھ سے اس لئے دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔ فرمایا کہ (اگر یہ چاہتے ہو) تو چار پرندوں کو اپنے پاس منگوا لو (اور) ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو



پھر ہر پہاڑ پر اس کا ایک ایک ٹکڑا رکھ آؤ۔ اس کے بعد ان کو بلاؤ (پھر دیکھو کہ) کیونکر وہ سب تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ اور سمجھ رکھو کہ خدا بیشک غالب اور حکمت والا ہے۔" (۲-۲۶۰)۔

اس آیت کے سلسلے میں کئی مستند احادیث اور روایات بھی ہیں کہ "وہ چاروں پرندے مرغ۔ گدھ۔ مور اور بطخ تھے جنہیں حضرت ابراہیمؑ نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک ہی میں ملا دیا اور اس کے بعد سب کو کوٹ پیس کر میدہ کر دیا یہاں تک کہ سب ایک ہو گئے۔ اس کے بعد اس کے دس حصے کر کے پہاڑوں پر رکھ آئے پھر چاروں کو پکارا۔ ایک ایک پرندہ اپنی اپنی جگہ سے آ کر اپنی اپنی چونچ سے جا ملا۔ (جن کے سر حضرت ابراہیمؑ نے غالباً بحکم الٰہی اپنے پاس رکھ لئے تھے)۔ اور اس طرح ہر پرندہ اپنی پہلی صورت پر آ کر زندہ ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ قصداً ایک کی چونچ دوسرے کے بدن سے ملاتے تھے مگر وہ ہٹ کر اپنی چونچ کی طرف رخ کرتا تھا۔"

(قرآن حکیم با تفسیر مولانا فرمان علی قبلہ ص ۶۸)۔

اسی حدیث کو مولانا مقبول احمد قبلہ نے بھی اپنے کلام مجید با تفسیر ص ۵۳ پر اس اضافت کے ساتھ درج کیا ہے کہ یہ حدیث کافی اور تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے۔ اسی طرح پرندوں کے دوبارہ زندہ ہو جانے کی روایت ملّا جامی تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک شخص نے صادق آل محمدؐ سے پوچھا کہ مولا حضرت ابراہیم نے جو چار چڑیوں کو زندہ کیا تھا وہ چاروں (پرندے) ہم جنس تھے یا مختلف اجناس کے تھے۔ حضرت نے اس تعجبانہ سوال کو سن کر فرمایا کہ دیکھو حضرت ابراہیمؑ نے اس طرح زندہ کیا تھا۔ یہ فرما کر آپ نے آواز دی۔ طاؤس یہاں آ۔ غراب یہاں آ۔

باز یہاں آ۔ کبوتر یہاں۔ یہ چاروں پرندے حضرت کے پاس آگئے۔ آپ نے حکم دیا کہ انھیں ذبح کر کے ان کے گوشت پیس ڈالو۔ اس کے بعد آپ نے ان میں سے ہر ایک کا سر ہاتھ میں لے کر ایک ایک کو آواز دی۔ آواز کے ساتھ گوشت اڑا اور اپنے اپنے سر سے جا ملا۔ پرندہ مکمل ہوا اور اس کے بال و پر مکمل ہو گئے اور پرندے زندہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر سائل حیران رہ گیا۔" (چودہ ستارے ص ۲۵۹)۔

قرآن حکیم اور ارشاد و معجزات معصومینؑ کی روشنی میں اس حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ "تخم لازوال" کسی جگہ انسان کے سر (دماغ) میں ہی کسی جگہ ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں امام جعفر صادقؑ کی وہ روایت بھی اس حقیقت کی دلیل میں پیش کی جا سکتی ہے کہ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ "کیا میت کا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے"؟ اس پر آپ نے وضاحت فرمائی کہ "ہاں۔ یہاں تک کہ ہڈی اور گوشت بھی ختم ہو جاتا ہے۔ صرف اس کی وہ مٹی جس سے اُسے خلق کیا گیا ہے قبر کے اندر "مستدیر" صورت میں باقی رہ جاتی ہے جس سے پھر خُدا انسان کو دوبارہ پہلے کی طرح پیدا کرتا ہے۔ (فروغ کافی جزو ۳۔ ص ۲۵۱)۔ اور اردو لغت کے مطابق "مستدیر" گول مٹول سی مستحکم شے کو کہتے ہیں۔ اس طرح قرآن حکیم اور احادیث معصومین کے پیش نظر اس حقیقت کو قبول کرنا ہوگا کہ "تخم لازوال" کبھی فنا نہیں ہو سکتی اور اس کا وجود انسان کی کھوپڑی کے کسی حصے میں ہی ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد اس سلسلے میں جب ہم جدید علم سائنس اور میڈیکل سائنس میں تحقیق کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح نباتات اور درختوں کے ننھے ننھے حقیر سے بیجوں میں درخت۔ جڑوں۔ پتوں۔ مختلف رنگوں اور نسلوں پھلوں پھولوں



خوشبوؤں کے تمام اجزاء اور عناصر محفوظ ہوتے ہیں۔ اسی ایک بیج میں لذت کے رموز بھی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ پھولوں کی رنگت اور ان کے خوشبو کی صفات بھی پنہاں ہوتی ہیں اسی طرح انسان کے ایک خلیہ (تخم لازوال) میں انسان کے تمام اجزاء جسمانی۔ پنجر۔ رنگ روپ اور تمام کا تمام پیکر انسانی اور زندہ جرثومے بھی پائے جاتے ہیں۔ جو نہ تو کبھی خراب ہوتے ہیں۔ نہ اسے حشرات الارض کھا پاتے ہیں اور نہ گردش زمانہ اور ادوار اسے کبھی فنا کر سکتے ہیں اور وہ دوبارہ زندہ ہو اٹھنے کی صلاحیت اور قوت رکھتے ہیں۔ اور اب جب کہ یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی ہے کہ ایسی تخم لازوال سر (کھوپڑی) کے ہی کسی حصے میں ہوتی ہو گی۔

اتنی ساری معلومات اور رہبری حاصل کر لینے کے بعد جب میں نے کافی تلاش و تحقیق کی تو میڈیکل سائنس میں جہاں تک میرے ذہن نارسا نے رہبری کی مجھے انسانی کھوپڑی میں دو ایسے ہی اہم اجزاء نظر آئے جن میں سے ایک کو "پٹیوٹری غدود" Pituitary Gland اور دوسرے کو پائنل باڈی Pineal Body کہتے ہیں اور جو "تخم لازوال" کے سلسلے کی اہم کڑی ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے "پٹیوٹری گلانڈ" کا ایک اجمالی جائزہ لیا جائے۔ میں نہ تو کبھی میڈیکل سائنس کا طالب علم ہی رہا ہوں اور نہ میری عملی زندگی میں میڈیکل سائنس سے کبھی سابقہ رہا ہے مگر تخم لازوال کی تلاش و تحقیق میں میری متجسس نگاہوں نے میڈیکل سائنس کی کتابوں اور انسائیکلو پیڈیا وغیرہ جیسی مستند کتابوں سے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے وہ خداوند علیم و حکیم سے اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے قارئین کی خدمت میں پیش کئے دے رہا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پٹیوٹری گلانڈ (غدود) Pituitary Gland

"تخم لازوال" (تخم انسانی) کی قرآن اور احادیث معصومین اور ابتدائی علم طب
کی رہبری میں میری متجسس نگاہیں انسان کی کھوپڑی (سر) کے اعضاء رئیسہ کی
طرف اٹھیں اور مجھے میڈیکل سائنس کی کتابوں میں کھوپڑی (سر) کے متعلق تفصیلات
میں جانے کے بعد ایک انتہائی اہم اور قابل غور "غدود" Gland نظریات جیسے میڈیکل
سائنس نے "پٹیوٹری گلانڈ" Pituitary Gland. کا نام دیا ہے۔ اس کی اہمیت کے
پیش نظر اس غدود کو ماسٹر گلانڈ Master Gland. بھی کہتے ہیں۔ اس گلانڈ کے
مقاصد عظیم ہیں۔ یہ غدود جسم کے سارے اعضاء رئیسہ کو اپنی اصلی حالت میں قائم
رکھنے۔ ان کی حرکت وعمل کو جاری رکھنے اور ان کی پرورش۔ مرمت اور صحت کو قائم
رکھنے میں نمایاں کام انجام دیتا ہے۔ یہ ننھا سا بیضوی (مخروطی) غدود اپنے اندر ایسی
رطوبت Hormone پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو ایک انتہائی مخصوص
کیمیاوی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس رطوبت سے جسم کے اعضاء رئیسہ کے بیمار ہونے
خراب ہونے۔ ٹوٹنے پھوٹنے کے بعد شفاء اور مرمت ہوتی ہے۔ یہ گلانڈ ایسا ہارمون
پیدا کرتا ہے جو فرسودہ اور خستہ ہوتے ہوئے خلیوں Cells کی جگہ دوسرے خلیوں
کی تخلیق بھی کرتا ہے۔ اس طرح یہ غدود (گلانڈ) سانس کی اور خوراک کی نلیوں کی صفائی
چھاتیوں اور گردوں کے سارے غدودوں کی صحت۔ رحم اور بچہ دانیوں اور مردانہ بیضوں
کی کیمیاوی طریقوں سے ردوبدل اور مرمت کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ غدود سر سے پیر تک
انسانی جسم کے تمام دوسرے غدودوں کی دیکھ بھال اور مرمت کرتا ہے اور انھیں
تقویت بھی پہنچاتا رہتا ہے۔ اس طرح یہ گلانڈ سارے جسد انسانی کے دوسرے
اجزاء۔ اعضاء رئیسہ اور غدودوں کی دیکھ بھال۔ مرمت اور تخلیق نو کے ایک عظیم



کارخانے یا کنٹرول روم کا کام کرتا ہے۔

میڈیکل سائنس نے انسان کی کھوپڑی کے اندر اس اہم "پٹیوٹری گلانڈ" کے محل
وقوع کی تشریح کچھ اس طرح سے کی ہے۔ انسان کی کھوپڑی کی بنیادی ہڈی اسفینائڈ بون
Sphenoid Bone. جو ایک پچر کے شکل کی Wedged Snape ایک طرف موٹی اور
دوسری طرف پتلی ہوتی ہے یہ غدود اسی ہڈی کے مرکز میں مخروطی شکل کے ایک دبے ہوئے
سے گڈھے میں واقع ہوتا ہے۔ جو خود بھی مخروطی (بیضوی) کی شکل کا کچھ سرخی مائل بھورے
رنگ کا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ بیضوی شکل کا غدود دماغ کی نچلی سطح پر کھوپڑی کے
Base Bone. (بیس بون) بنیادی ہڈی پر پائے جانے والے دبے ہوئے گڈھے
میں ہوتا ہے"۔

"یہ غدود دماغ سے بھی ایک ڈنٹھل نما تنے کے ذریعہ سے جڑا ہوتا ہے۔ بالغ انسان
کے اس غدود کا وزن .0.5 گرام سے :0.7 گرام تک ہوتا ہے۔ مردوں کی بہ نسبت
عورتوں کا یہ غدود سائز میں کچھ بڑا ہوتا ہے اور وزن میں بھی زیادہ ہوتا ہے۔ یہ غدود
چالیس سال کی عمر تک بڑھتا ہے اور پھر اس کے بعد کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔
اس گلانڈ کے سامنے کا سائز .10 mm پیچھے کا سائز 6 mm اور چوڑائی تقریباً
13 mm; ہوتی ہے"۔

اس غدود کو تمام جسم انسانی کے نظام کو قائم رکھنے کا کنٹرول روم کہہ سکتے ہیں جو ایک
کیمیاوی رطوبت :Hormone پیدا کر کے اسے مخصوص نلیوں Tubes کے ذریعہ
سے جسم کے تمام اعضاء رئیسہ کو خون کے ذریعہ سے مہیا کرتا رہتا ہے۔ یہ رطوبت
انسانی زندگی کے حرکت وعمل کو عملی خوبیوں کے ساتھ قائم رکھتی ہے اس غدود کے چند

اہم کردار کا ذکر اختصار کے ساتھ کردینا ضروری ہوگا۔
(۱) اس غدود سے ایسی کیمیاوی رطوبت Hor mones کا اخراج ہوتا ہے جو Tubes نلیوں کے ذریعہ خون اور پھر تمام اعضاء رئیسہ تک پہنچتی رہتی ہے۔ جس سے ہڈیوں کی مرمت۔ پرورش و پرداخت ہوتی رہتی ہے۔ (۲) اس غدود کا کام جسم کے اندر تیزابی اثرات کو اعتدال پر قائم رکھنا' گیس اور بادی اثرات اور چربی کو حد اعتدال کے اندر برقرار رکھنا بھی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس رطوبت کا کام نشاستہ۔ مادّ دں سے متعلق پٹھوں اور نلیوں کو اعتدال پر قائم رکھنا اور ان کی نگہداشت کرنا بھی ہے۔ (۳) اس غدود کا کام iod.ne. آیوڈین اور جرثومہ کش Antiseptic. رطوبت کا تیار کرنا بھی ہے۔ جس میں اعضاء انسانی کا سڑنے گلنے سے تحفظ اور انھیں اندرونی اور بیرونی زہریلے مادّوں سے محفوظ رکھنا شامل ہے۔ (۴) گردوں اور اس کے پٹھوں۔ رگوں اور نلیوں کی نگہداشت۔ علاج اور اصلاح بھی اسی گلانڈ کے ذمہ ہوتی ہے۔ (۵) مردانہ بیضوں سے متعلق پٹھو اور غدوں اور ان نلیوں کی نگہداشت اور اصلاح جس کا تعلق گردوں سے بھی ہوتا ہے۔ مردانہ مادّہ منویہ۔ مردانہ اعضاء کی تکمیل۔ آواز کا بھاری پن اور مردانہ خصوصیات کا پروان اور ان کی پرورش کرنا (۶) خصیوں اور بیضوں کے عمومی اعمال و افعال کی نگہداشت۔ مردانہ نطفہ کے ٹیوب اور نلیوں میں تولیدی جرثوموں کی بقاء اور استحکام۔ ان کی پرورش اور تحفظ۔ اور اسی طرح زنانہ بیضوں کے صحت مند افعال اور بچہ دانیوں میں حمل کا تحفظ۔ آیام حمل میں بچہ دانی کا تحفظ۔ بچہ دانی کی پرورش اور اس کی مناسب نقل و حرکت کو عملی خوبیوں کے ساتھ قائم رکھنا۔ (۷) زنانہ پستانوں کے غدودوں کا تحفظ۔ ان میں دودھ پیدا کرنے



کی صلاحیت اور عمل کو قائم رکھنا۔ بچہ دانی کے زخموں اور خون کے جاری رکھنے کے عمل کو پابندی اور اعتدال کے اندر رکھنا۔ (۸) بالوں اور روئیوں کے سلسلے کا کنٹرول۔ (۹) رنگوں، شباہتوں کے رموز اور ان کی نگہداشت (۱۰) کھالوں کو بیرونی دباؤ توں سے بچانا اور انھیں اعتدال پر قائم رکھنا۔ کھالوں کے کٹنے۔ جلنے اور دوسری جلدی بیماریوں سے تحفظ اور نگہداشت کرتے ہوئے اُسے صحت مند رکھنا (۱۱) دوران خون پر کنٹرول اسے اور اُسے معمول کے مطابق اور حد کے اندر قائم رکھنا۔ رگوں اور شریانوں پر خون کے دباؤ کو متوازی اور ہموار رکھنا (۱۲) گردوں کی نلیوں میں پائی جانے والی رطوبت اور آبی مقدار کا حسب معمول اخراج اور صلاحیت کو قائم رکھنا۔ (۱۳) تولید کے بعد زچہ کی چھاتی کے غدود میں دودھ کی دھار نکالنے کی صلاحیت کو قائم رکھنا۔ (۱۴) بچہ دانی کے غضلات میں سکڑنے کا عمل اور دوران ولادت بچہ دانی اور حمل کو موزوں حالت میں قائم رکھنے کا عمل۔" یہ ایسے خصوصی اعمال ہیں جنہیں پیٹوٹری گلانڈ Pituitary Gland انجام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ان سے جڑے ہوئے بیشمار عمومی عمل بھی ہیں جنہیں یہ غدود انجام دیتا ہے۔

میڈیکل سائنس سے حاصل شدہ ان معلومات کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ جسد انسانی کا کوئی بھی عضو ایسا نہیں ہے کہ جس کی نگرانی اور دیکھ بھال اور ان کا فطری علاج اس غدود Gland کے تحت نہ ہوتا ہو۔ جسم کے بال۔ روئیں۔ رنگ و نسل سے لے کر دل۔ دماغ۔ جگر۔ گردے تک یہ سب اسی گلانڈ سے زندگی حاصل کرتے ہیں۔ پھیپھڑوں کی حرکت۔ دل کی دھڑکن۔ عمل تولید یہ سب اسی غدود کی اعانت اور اعانت سے محو عمل ہیں۔

اس کے بعد اب ہم بغور مطالعہ کرتے ہیں اسی اہم گلانڈ سے جڑی ہوئی ایک ایسی اہم اور مخفی شے کا جو حیرت انگیز ڈھنگ سے خاموش اور خفتہ ہے مگر اپنے اندر ایک راز سربستہ لئے ہوئے ہے۔ باہر سے دیکھنے میں ساکت مگر اندرونی طور سے ایک طلسم خاموش۔ ایک ایسا راز جو آج تک حل نہیں کیا جا سکا اور جسے ماہرین میڈیکل سائنس نے پائنل باڈی .Pineal Body کا نام دیا ہے۔

## (پائنل باڈی) Pineal Body: "تخم لازوال کی متلاشی اور متجسس نگاہیں

پیٹیوٹری گلانڈ کے مطالعہ کے بعد اسی اہم گلانڈ سے جڑی ہوئی اس راز سربستہ شے پر رک جاتی ہیں۔ ماہرین میڈیکل سائنس نے اس کا نام چیز PINE کے پھل کی مناسبت سے دیا ہے جو ایک کون .Cone کی شکل کا ہوتا ہے "△" یعنی نیچے سے بڑا گول اور اوپر کو گاؤدم ہوتا ہوا نوکیلا ہو جاتا ہے دیکھنے میں یہ لمبوترا اور ٹھوس ہوتا ہے مخروطی شکل کا گول مٹول (شاید خاک مستدیر کا ہم شکل!) میڈیکل سائنس نے اس کی جو تعریف اور تفصیل لکھی ہے اُسے میں انھیں کے لفظوں میں دہرائے دے رہا ہوں۔

A small reddish-grey conical structure on the dorsal surface of the mid-brain. Its functions are not fully understood But there is some evidence that it is an endocrine gland concerned with growth" Conical.

"یہ ایک چھوٹی سی سرخی مائل بھورے رنگ کی ٹھوس اور مخروطی کونیکل



ساخت کی شے ہے جو مرکزی دماغ کے پچھلی سطح پر ہوتی ہے۔ اس پیچیدہ شے کی کارکردگی اور فعل وعمل کے متعلق میڈیکل سائنس کو آج تک کوئی واضح علم نہیں ہو سکا ہے۔ مگر ایسا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ کسی طرح کے ہارمونس بنانے والے غدودوں میں سے ہو سکتا ہے۔" اس غیر واضح شے کا سلسلے اوپر دیئے گئے اہم پیٹیوٹری گلانڈ سے جڑا ہوتا ہے۔"

کون جانے یہ غیر واضح اور مبہم شے ہی اُس کنٹرول روم کو توانائی دیتی ہو۔ ممکن ہے یہ کونیکل شے ہی "تخم لازوال" ہو ہو سکتا ہے۔ یہی تخم انسانی ہو۔ ہو سکتا ہے اس کے اندر قدرت کے ایسے علوم خفتہ اور راز سربستہ بند ہوں جو تخم لازوال کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ہو سکتا ہے اسی شے کی طرف امام جعفر صادقؑ نے "خاک مستدیر" کہہ کر اشارہ کیا ہو۔ جو کبھی اور کسی حالت میں بھی فنا نہ ہوتی ہو اور نہ حوادث روزگار اسے ختم کر سکتے ہوں۔ اور پھر ایک دن "آب مسجور" کی قربت اتصال حاصل کر لینے کے بعد اس کے اندر مخلتی ہوئی زندگی اور عظیم قوت جاذبہ اپنی تمام اہلیتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ۔ بیدار ہو جائے اور اپنی قوت کشش مرکزی کے زیر اثر جسد انسانی کو دوبارہ مکمل کر سکے۔ ہو سکتا ہے کہ نباتات کے بیجوں کی طرح یہ بھی آب مسجور کی بارش کے بعد اپنی پوری عملی خصوصیات کے ساتھ بیدار ہو اُٹھے۔ اور حیات بعد از موت سے ہر طرح سے متعلق ہو جائے جو آج اس قدر لاتعلق اور خاموش نظر آ رہی ہے بالکل نباتات کے بیج کی طرح۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## دوسرے نفخ صور کے بعد

حضرت اسرافیل دوسرا صور بھی پہلے نفخ صور

کے بعد (اسی طرح) جب خدا چاہے گا پھونکینگے اور اس درمیانی مدّت میں جو لازماً ایک مدّت معینہ کے بعد ہی ہوگی اور جب میدان حشر کا اہتمام ہوگا۔ ایک ایسا میدان جس میں نہ بلندیاں ہوں گی اور نہ پستیاں ہوں گی۔ نہ کوئی رخنے ہوں اور نہ دراڑیں اور جب سطح زمین پر ہر طرف مردہ لاشیں اپنی اصلی حالت میں اور اپنی زندگی کی بہترین شکلوں میں تبدیل ہوچکی ہوں گی آب مسجود کے اتصال سے تخم حیات (تخم لازوال) میں قوت نمو پیدا ہو اٹھی ہوگی اور کشش اتصال سے اس میں کشش مرکزی پیدا ہوچکی ہوگی اور مردے اپنے زندگی کی بہترین شکلوں میں واپس آچکے ہوں گے۔ ان کی ہڈیوں کے ڈھانچوں پر رگیں۔ پٹھے۔ گوشت اور کھال پہلے کی طرح اُگ آئی ہوگی۔ اور پھر خدا حکیم کے حکم سے "روحیں جسموں سے ملادی جائیں گی" اور انسان میدان حشر کی طرف چل پڑے گا۔ اور یہ سب خداوند کریم و حکیم کے عین مرضی کے مطابق ہوگا۔

"جس دن صور پھونکا جائے گا اور گنہگاروں کو ہم نیلی آنکھوں کے ساتھ محشور کریں گے جو چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے کہ ہم دنیا میں کوئی دس دن رہے ہوں گے جو ان میں زیادہ ہوشیار ہوگا وہ کہے گا کہ نہیں جی ہم تو بس بہت ٹھہرے ہوں گے تو ایک دن" (۲۰۔۱۰۲ تا ۱۰۴)۔

(اس دن کو یاد کرو) جس دن صور پھونکا جائے گا تو جتنے لوگ آسمانوں میں ہیں اور جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب گھبرا اٹھینگے (اپنے انجام کے خوف و دہشت سے۔ مگر جس کو خدا چاہے گا (وہ مطمئن ہوگا) (۲۷۔۸۷)۔

"اور پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو لوگ اسی دم (اپنے اپنے مدفنوں سے)



نکل کر اپنے پروردگار کی طرف چل پڑیں گے (پھر حیران ہوکر کہیں گے) ہائے افسوس ہم تو سو رہے تھے ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے جگا اٹھایا۔ جواب دیا جائے گا کہ یہی وہ وقت ہے جس کا وعدہ کیا گیا تھا" (۳۶۔۵۰ تا ۵۱)۔

"بے شک فیصلے کا دن (یہی) مقرر ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اور تم لوگ گروہ کے گروہ حاضر ہو گے۔ آسمان کھولے جائیں گے تو اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے" (۲۷۔۱۴)۔

"جس دن روحیں بدنوں سے ملادی جائیں گی" (۸۱۔۷)۔

"تو جب حشر کا غل مچیگا۔ اس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا۔ اور اپنے ماں باپ اور اپنی بیوی سے۔ ہر شخص اس روز اپنی ہی فکر میں ہوگا۔ جو اس کی (مصروفیت کے لئے) کافی ہوگا۔ کتنے چہرے اس روز چمک رہے ہوں گے۔ خنداں اور شاداں (یہ نیکوکار ہوں گے) اور کتنے چہرے ہوں گے جن پر گرد پڑی ہوگی اور سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔ (یہ بدکار لوگ ہوں گے)۔ (۸۰۔۳۳ تا ۴۲)۔

"پھر جب صور دوسری بار پھونکا جائے گا تو فوراً سب کھڑے ہوکر دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمکنے لگے گی۔ اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور بے انصافی نہیں کی جائے گی اور جس شخص نے جو عمل کیا ہوگا اس کو اس کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا"۔ (۳۹۔۶۸ تا ۷۰)

حشر کے لغوی معنی کسی گروہ کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے یا منتقل کرنے کے ہیں بالکل اسی طرح انسان اپنی قبروں۔ مدفنوں یا جہاں کہیں بھی ان کے "تخم لازوال" دبے ہوں گے زندہ ہوکر میدان حشر کی طرف اپنے معبودِ حقیقی کے حضور میں اپنے

اعمال کے نتائج (اعمال نامے) حاصل کرنے کی غرض سے چل پڑیں گے۔ دوسرے نفخ صور کے بعد انسانی اجسام کے دوبارہ پھر اپنی پہلی حالت میں لوٹ آنے کی طرف بھی خدا نے اپنی قدرت کاملہ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"میں روز قیامت کی قسم کھاتا ہوں اور (اور برائی سے نفرت کرنے والی) نفس کی قسم کھاتا ہوں (کہ) تم دوبارہ ضرور زندہ کئے جاؤ گے۔ کیا انسان نے یہ خیال کیا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو بوسیدہ ہونے کے بعد جمع نہ کریں گے (ضرور کریں گے) ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں گے۔" (۷۵۔ ۱ تا ۴)۔

اس آیت میں پور پور کے درست کر دینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خالق مطلق نے اپنی کمال قدرت اور بے مثال خلاقی کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ انسان کی انگلیوں کے پوروں پر ایسے اہم۔ قابل توجہ اور قابل اعتماد نشانات اور لکیریں ہیں جو کسی ایک انسان کے دوسرے سے میل نہیں کھاتیں اور ہر شخص کے پوروں کے یہ نشانات الگ الگ ہوتے ہیں۔ ابتدا سے قیامت تک بے شمار انسان پیدا ہو چکے اور پیدا ہوتے رہیں گے لیکن ایسا کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ کسی دو آدمی کے انگلیوں کے یہ نشانات ایک دوسرے سے ہو بہو مل سکے ہوں۔ ان میں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی اختلاف ضرور رہا ہے خواہ وہ ایک نقطہ کا ہی رہا ہو۔ یہ نظریہ اس قدر قابل اعتماد مانا جا چکا ہے کہ ہر سرکاری دفتر میں کام کرنے والوں اور یہاں تک کہ سربراہوں اور آفیسروں تک کے انگلیوں کے نشانات ان کی نجی فائلوں میں محفوظ کر لئے جاتے ہیں۔ اسی طرح انگلیوں کے نشانات کی مدد سے کتنے ہی ملزمین بلا کسی شک و شبہ کے پکڑے جاتے ہیں۔



قرآن حکیم کی اس آیت حکیمانہ میں خدا کے کمال قدرت اور خلاقی کے ساتھ ساتھ ایک عظیم علمی حقیقت بھی پنہاں ہے کہ "ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور درست کر دیں گے۔" انگلیوں کے نشانات (فنگر پرنٹس) کسی بھی ایک انسان کے دوسرے انسان سے ہو بہو اور صد فیصد نہیں ملتے اور ان میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہوتا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے انگلیوں کے نشانات وہ واضح نوشتۂ حیات اور اس کے اعمال کے ایسے مستند اور واضح ریکارڈ ہیں جس کو انسان چاہے بھی تو مٹا نہیں سکتا ... ہوں جائے مگر قدرت کے بنائے ہوئے یہ ریکارڈ اور نشانات نہ تو مٹائے جا سکتے ہیں اور نہ اپنی مرضی کے مطابق بنائے جا سکتے ہیں۔ کبھی کبھی خطرناک اور شاطر مجرم اور قاتل قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے اپنی انگلیوں کے نشانات کبھی تیزاب سے تو کبھی دوسرے طریقوں سے جلا کر مٹا ڈالتے ہیں۔ اور اس طرح اگر وہ دنیاوی سزاؤں سے بچ بھی گئے پھر بھی وہ خدا کے سامنے روز محشر نہیں بچ سکیں گے اور قادر مطلق ان کے انگلیوں کے پور پور دوبارہ درست کر دے گا۔

انگلیوں پر بنی ہوئی یہ مخروطی۔ چکردار دھاریاں۔ یہ آڑی ترچھی لکیریں کبھی نہ مٹنے والی تحریریں ہیں جنہیں خدا اپنی قدرت کاملہ سے اسی طرح گویا کر دے گا جس طرح ٹیپ ریکارڈ سے آوازیں نکلتی ہیں اور یہ اس وقت ہوگا جب روز محشر مجرم اپنے گناہوں کا منکر ہوگا اور فرشتے جو اس کی بداعمالیوں اور گناہوں کو لکھتے رہتے ہیں جب ان کے خلاف گواہی دیں گے اور جس وقت مجرم جواب دے گا کہ اے میرے خدا یہ تو تیرے ہی فرشتے ہیں۔ تیری جیسی کہیں گے۔ اس وقت ان کے اعضاء۔ ان کے ہاتھ پیر اور ان کے جسم کے حصے خود ان کے خلاف گواہیاں دیں گے۔ انسان

کی جبینوں اور زبانوں پر بھی طرح طرح کی لکیریں اور مختلف قسم کے نشانات رہتے ہیں۔ شاید ان میں بھی آوازوں۔ اعمال۔ احساسات کے جذب کرلینے محفوظ کرلینے کی صلاحیت ہوتی ہوگی۔ جسے عقل انسانی کبھی حل نہیں کرسکتی۔

"اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جس کو اس کے (خدا کے) سوا کوئی نہیں (۶۰-۶)

اسی طرح پیر کے تلوئں۔ چہروں اور جبینوں پر عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی شکنیں اور لکیریں شاید خدا کی قدرت سے مخفی تحریریں ہیں۔ ان میں کچھ لکیریں اور دائمی ہیں۔ تو کچھ بنتی اور بگڑتی بھی رہتی ہیں جو اپنے دامن میں ایک عظیم مقصد راز سمیٹے ہوئے ہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے۔ "جس دن (روز محشر) ان کی زبانیں کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کی بداعمالیوں کی گواہی دیں گے۔" (۶- ۶۰)۔

اسی طرح قرآن حکیم میں گنہگاروں کے اعضاء وجوارح کے ان کے خلاف گ دینے کے سلسلے میں بڑی وضاحت سے آیا ہے۔ "یہاں تک کہ جب سب کے کے پاس لائے جائیں گے تو ان کے کان۔ ان کی آنکھیں۔ اور ان کے (گوشت ان کے مقابلہ میں ان کی کارستانیوں کی گواہی دیں گے۔ اور یہ لوگ اپنے ا سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی۔ تو وہ جواب دیں گے خدا نے ہر چیز کو گویا کیا ہے اسی نے ہم کو بھی گویا کر دیا (لوگو) اسی نے تم کو بار پیدا کیا اور (آخر) اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے (تمہاری تو حالت یہ تم لوگ اس خیال سے (اپنے گناہوں کی) پردہ پوشی بھی تو نہیں کرتے کہ تم کان۔ تمہاری آنکھیں اور تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہیاں دیں گے



تو اس خیال میں بھولے ہوئے تھے کہ خدا تمہارے بہت سے کاموں کو جانتا نہیں ہے۔" (۴۱- ۲۰ تا ۲۲)۔

انگلیوں کے نشانات (فنگر پرنٹس) کے ذہن میں آنے کے بعد بیسویں صدی ایک اہم ایجاد "ٹیپ ریکارڈر" کا خیال آجاتا ہے جس میں ہر طرح کے گانے۔ ریں تقاریر اہم بیانات اور راز کی مخفی باتیں محفوظ کی جاسکتی ہیں یا پھر "وی ڈی او ٹ"، جن کی پلاسٹک کے ٹیپوں پر چلتی پھرتی تصاویر۔ نقشے۔ ہر طرح کے مناظر تقاریب اور راز کی مخفی چیزیں اور مناظر ٹیپ کئے جاسکتے ہیں اور مستقل ریکارڈ شکلوں میں محفوظ کئے جاسکتے ہیں۔ اور بوقت ضرورت انھیں دوبارہ سنا دیکھا جاسکتا ہے۔

ٹیپ ریکارڈر اور وی۔ ڈی۔ او کیسٹ بیسویں صدی کی ایک عظیم ایجاد ہے۔ ے میں پلاسٹک کا ایک باریک ٹیپ (فیتہ) استعمال کیا جاتا ہے۔ ٹیپ پر ہے کے سفوف (آئرن آکسائڈ) کا لیپ کیا جاتا ہے۔ یہ ٹیپ دو پھرکیوں کیسٹ کے اندر فٹ ہوتا ہے۔ جب ٹیپ ریکارڈر کو برقی قوت سے جاتا ہے تو لوہے کے سفوف کی وجہ سے ٹیپ میں برقی لہریں دوڑنے لگتی اور اس میں مقناطیسی کشش پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں یہ آوازوں تقریبات یا نظاروں کی تصویروں کو محفوظ کر لیتا ہے۔ غور کرنے پر ان ٹیپوں باریک نشانات۔ کچھ دھاریاں۔ اور عام طریقوں سے نظر نہ آنے والے نقات تے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ ٹیپ اپنی پھرکیوں پر عام حالات میں تقریباً ڈیڑھ سکنڈ کی رفتار سے چل کر آوازیں۔ گانے تصاویر اور نقشے وغیرہ ٹیپ کرتے

ہیں۔ ٹیپ ریکارڈر کے بند ہوتے ہی ٹیپ پر برقی لہروں کے اثرات ختم ہو جا[تے]
ہیں اور دیکھنے میں یہ پلاسٹک کے عام فیتوں جیسا ہی نظر آتا ہے۔ مگر ان محفوظ [...]
کو دوبارہ دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔ اس طرح ان کیسٹوں میں آوازیں، بیانات
وغیرہ اپنی مرضی کے مطابق جب تک ضرورت ہو محفوظ رکھا جا سکتا ہے حسب [...]
مٹایا بھی جا سکتا ہے اور ان کی جگہ پر دوسری آوازیں نظارے اور پروگرام دوبارہ
کی جا سکتی ہیں۔

سوچنا چاہئے کہ یہ انگلیوں اور انگوٹھوں کے پوروں پر بنے ہوئے مستقل نشا[نات]
یہ ہتھیلیوں پر اور پیروں کے پنجوں پر بنتے اور بگڑتے نشانات۔ یہ پیشانیوں کی گ[...]
اور بدلتی ہوئی شکلیں اور لکیریں کہیں قدرت کے ایسے ٹیپ تو نہیں ہیں جن پر [...]
کی زندگی کے نیک و بد اعمال ٹیپ ہوتے جا رہے ہوں جنہیں خالق مطلق جب
بطور ثبوت ہمارے سامنے دوبارہ پیش کر دے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل غ[ور ہے]
کہ انگلیوں اور انگوٹھوں کے نشانات جو نہ تو کبھی مٹتے ہیں اور نہ بگڑتے ہیں بلکہ
اور پہلی حالت میں ہمیشہ قائم رہتے ہیں اور ان کی مثال لوح محفوظ کی تحریر سے د[ی]
دی جا سکتی ہے۔

"یہ لوگ جو کچھ کر چکے ہیں۔ ان کے اعمال ناموں میں درج ہے (یعنی) ہر چھو[...]
کام لکھ دیا ہے۔" (۵۴۔۵۲ تا ۵۳)۔

"ہم نے ہر چیز کو لکھ کر (لوح محفوظ میں) محفوظ کر رکھا ہے۔" (۹۷۔۸۰)۔

یہی نہیں۔ انگلیوں کے پوروں کے علاوہ انسان کے ہتھیلیوں اور پنجوں [...]
ایسے بے شمار مبہم سے نشانات اور دھاریاں ہوتی ہیں جن کے مقاصد خداوند[ی]



کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اگرچہ علم دست شناسی Palmistry جس کی بنیادیں
محض طویل تجربات اور تحقیقات پر قائم ہیں اس سلسلے میں بڑی حد تک ہماری رہبری
کرتے ہیں۔ اور اس کے بڑے مشہور دانشور اور علما گزر چکے ہیں جن میں کیرو کا نام سرفہرست
آتا ہے۔ ہاتھ کی لکیریں بنتی اور بگڑتی بھی دیکھی گئی ہیں اور اس سلسلے میں کیرو کا ایک
چشم دید واقعہ قابل ذکر ہے۔ اس نے ایک شناسا کا ہاتھ دیکھ کر بتلایا تھا کہ وہ بہتر
سال زندہ رہے گا۔ مگر جلد ہی اس کی اچانک ایکسیڈنٹل موت ہو گئی اور جب
کیرو نے دوبارہ اس کی ہتھیلی دیکھی تو وہ حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ اس کی زندگی کی
لکیر پینتالیس سال کے قریب کٹ کر ٹیڑھی پڑ چکی تھی۔

یہی نہیں انگلیوں اور ہتھیلیوں کے نشانات کے علاوہ پنجوں، کلائیوں، جبینوں
پر بے شمار لکیریں اور نشانات ایسے بھی ہوتے ہیں جو بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔ جن
کے متعلق قرآن حکیم میں آیا ہے کہ۔

"اور یہ وقت مقررہ کے لئے ایک تحریری حکم ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے محو کر
دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے قائم کر دیتا ہے۔ اصلی کتاب تو اسی کے پاس ہے (۳۹۔۱۳)

"جو کچھ یہ بکتا ہے۔ ہم اسے لکھ لیتے ہیں اور اس کے لیے اور بھی بڑھا دیتے ہیں (۸۔۱۹)

"جن لوگوں نے توبہ کر لی اور (اپنی خرابیوں کی) اصلاح کر لی تو البتہ خدا بڑا
بخشنے والا۔ سننے والا اور مہربان ہے۔" (۸۹۔۳)

قرآن حکیم کے مندرجہ بالا آیات سے اس بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اگر
انسان اپنے کئے ہوئے ماضی کے گناہوں پر اڑا رہے اور لگاتار گناہ پر گناہ کرتا چلا
جائے۔ اور کبھی نادم بھی نہ ہو تو اس کے گناہوں میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ یہی نہیں

بلکہ ان کی عقوبتیں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی گنہگار اپنے کئے ہوئے گناہوں پر نادم ہوتا ہے اور صدق دل سے توبہ کرکے اعمال نیک کرنا شروع کر دیتا ہے، تو وہ خداوند رحیم و کریم بڑا توبہ کا قبول کرنے والا اور گناہوں کا مٹانے والا بھی ہے۔

"خدا تو یہ چاہتا ہے کہ وہ تمہاری توبہ قبول کرلے اور جو لوگ خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم لوگ سیدھے حق سے بہت دور ہٹ جاؤ۔ خدا چاہتا ہے کہ تم سے (بار گناہ) میں تخفیف کر دے۔ کیونکہ آدمی تو کمزور پیدا ہی کیا گیا ہے۔" (۴۔۲۸)

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس وقت انسان اپنے کئے ہوئے گناہوں سے صدق دل سے توبہ کر لیتا ہے اور نیک اعمال کرنا شروع کر دیتا ہے تو یہی نہیں کہ وہ رحیم و کریم پروردگار صرف اس کے پچھلے گناہوں کو ہی معاف کر دے بلکہ انہیں مٹا کر ان کی جگہ پر نیکیاں ثبت کر دیتا ہے اور اس کے کئے ہوئے ماضی کے گناہوں کو بھی نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ بالکل اس ٹیپ ریکارڈر کی طرح جس میں پچھلی باتیں مٹا کر دوسری نئی باتیں دوبارہ لکھی جا سکتی ہیں یا جیسے ہتھیلیوں یا اور دوسرے اعضاء جسمانی کی بنتی بگڑتی۔ اور مٹ کر دوبارہ بنتی ہوئی لکیریں۔!!

"سوائے اس کے جو توبہ کرے۔ مومن ہو جائے اور نیک عمل کرنا شروع کر دے۔ وہ بس وہی ہیں جن کی بدیوں کو خداوند کریم نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ تو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔" (۲۵۔۷۰)

روز محشر اعمال کے سچے گواہوں کا تذکرہ قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر مختلف انداز اور عنوان سے آیا ہے۔ جن میں نظام عدل ہی کے تحت مجرمین اور ظالمین کے



خلاف گواہیاں دنیاوی عدالتوں کی گواہیوں سے کچھ مختلف ہی نظر آتی ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہو رہا ہے کہ۔

"جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے تو (اس دن) ان کا کچھ زور نہ چلے گا اور نہ (ان کا) کوئی مددگار ہی ہوگا۔" (۸۹۔۹ تا ۱۰)۔

اس آیت سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ثواب یا عقاب کسی کے محض نیک و بد اعمال پر ہی منحصر نہ ہوگا بلکہ عاقبت میں ان کی نیتوں اور ارادوں تک کی کیفیات جانچی جائیں گی اور ان کے باطنی جذبات اور نیتوں کی گواہیاں بھی پیش ہوں گی۔ اور اس سلسلے میں یہ بندوں کے باطنی اعمال و احساسات کے ردعمل ہی ہوں گے جنہیں وہ قادر مطلق اپنے قدرت باکمال اور علم بے مثال سے کچھ اس طریقہ اور انداز سے سامنے لا سکے گا جس کا نہ تو ہم اس دنیا میں ادراک ہی کر سکتے ہیں اور اُن طریقوں کی اس دنیا کی جانچ یا تفتیش سے کوئی موازنہ ہی کر سکتے ہیں۔

یہ ایک عالمی حقیقت ہے کہ انسان کا کوئی بھی فعل ہو۔ خواہ وہ اعمال خیر ہوں یا اعمال شر انسان کے وجود پر انتہائی گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ یہ بات ہر انسان جانتا ہے کہ ظلم و جبر۔ فتنہ و فساد پسندیدہ افعال نہیں ہو سکتے لیکن وہ اپنی نفسانی خواہشات اور دنیا طلبی کے غلبہ میں آکر ان کا ارتکاب کرتا ہے مگر اس کے باطن میں ان ناپسندیدہ افعال کے خلاف ایک ہنگامہ شروع ہو جاتا ہے اور اس کے یہی احساسات اس کے ضمیر میں کہیں محفوظ ہو جاتے ہیں اور پھر یہی باطنی جذبات ضمیر کی گہرائیوں سے ابھر کر عدالت الٰہیہ کے سامنے اپنے جرائم کا اقرار کریں گے۔ بغض و حسد۔ تعصب اور رشک انسان کے ضمیر کو جلا ڈالتا ہے اور اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی انسان

ان کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ "جس طرح چھری گوشت کے اندر پیوست ہوتی چلی جاتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ انسان کے اندر اثر کرتی ہے۔" (بحار)

ان سارے حقائق کے پیش نظر یقین کیجئے ہمارے اعمال اور افعال خود ہمارے اجسام میں ذخیرہ ایک [illegible] اور مستقل [illegible] ہمارے ضمیروں میں محفوظ ہوتے ہیں اور پھر روز محشر [illegible] صورت [illegible] آوازوں کی شکل میں، خواہ ہیولوں کی شکل میں [illegible] ہمارے سامنے [illegible] نتیجہ [illegible] اور حق [illegible] عدالت [illegible] ایسی عدالت ہوگی جس کے سامنے [illegible] اپنے اعمال [illegible] کی شکل ہوگی۔ [illegible] احساسات [illegible] حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے اشارہ کرتے ہوئے بتلا دیا ہے کہ:

"تم لوگ خدا کی نشانیوں کا [illegible] انکار کرتے ہو حالانکہ خدا [illegible] تمہارے اعمال [illegible] ہے" (۳.۹۷) [illegible] اور [illegible] کا بھی ذکر کیا ہے۔

[illegible]



یا جائے گا" (۲۹.۶۸)۔

اس سلسلے میں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے یہ گواہیاں محض انسان کے ظاہری اعمال و افعال تک ہی محدود نہ ہوں گی بلکہ ان کے باطنی احساسات۔ جذبات اور نیات۔ صدق عمل، موقع عمل، محل عمل، جذبات عمل اور [illegible] کا بھی جائزہ لیا جائے گا [illegible] گواہ ہوں گی وہ محترم اور [illegible] ہستیاں جو انسان کے دلوں کے بھید تک سے واقف ہیں اور جو صالحین اور [illegible] مومنین اور منافقین۔ اہل ایمان اور [illegible] [illegible] اور [illegible] ہستیاں ہوں گی جن کے ظاہر و باطن طیب اور طاہر اور [illegible] ہوں۔ اور [illegible] قرآن اشارہ کرتا ہے۔

"اے رسول کہہ دیجئے کہ تم لوگ اپنے [illegible] خدا اور اس کا رسول اور مومنین تمہارے کاموں کو دیکھیں گے۔ اور بہت جلد (روز حشر) ظاہر و باطن کے جاننے والے (خدا) کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ تب جو کچھ بھی تم کرتے تھے تمہیں بتلا دیا جائے گا" (۹.۱۰۵)۔

روز محشر سے متعلق ایک مہین سی وضاحت ہوئی حدیث کا ذکر کرنا بھی انتہائی اہم اور ضروری ہوگا۔ حدیث کچھ اس طرح سے ہے کہ "حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا کہ قیامت کے روز (روز حشر) لوگ ننگے اٹھائے جائیں گے۔ وہ ننگے پاؤں اور بے ختنہ ہوں گے۔ [illegible] رسول اللہ کیا مرد و عورت سب ننگے ہوں گے [illegible] ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے [illegible] شرم کا مقام ہوگا۔ [illegible] سختی اس قدر ہوگی کہ [illegible] ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھ [illegible]

کا دھیان ہی نہ ہوگا۔" یا پھر اسی طرح کی دوسری وضع کی ہوئی حدیث بھی ہے کہ "حضرت رسول نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے روز تم لوگ ننگے بدن۔ ننگے پاؤں اور بے ختنہ جمع کیے جاؤ گے" اور یہ فرما کر قرآن مجید کی آیت تلاوت فرمائی۔ "جس طرح اوّل بار پیدا کرنے کی ابتدا کی۔ اس کو دوبارہ اسی طرح لوٹائینگے" یعنی خالق اس بات پر قادر ہے کہ تم کو ہو بہو ٹھیک ٹھیک انھیں اعضاء و جوارہ کے ساتھ اسی طرح پیدا کر دے۔ جس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا تھا اور تمہارے تمام اعضاء و جوارہ میں کوئی خامی یا کمی نہیں ہوگی۔ اور یہاں تک کہ تمہاری انگلیوں کے پور پور جو جسد انسانی کے سب سے باریک اور اہم نشانات مانے جاتے ہیں وہ بھی بالکل پہلے جیسے ہی ہوں گے جس طرح تمہاری پہلی پیدائش کے وقت تھے۔

اس سلسلے میں اگر کسی حدیث گڑھنے والے نے ایک ایسی مضحکہ خیز حدیث ایجاد کر دی جس کی بنیادوں پر اس سے بھی مضحکہ خیز منظر پیش کیا جا سکتا ہے کہ جس طرح خدا نے پہلی بار تم کو ایک برہنہ۔ ننگے پیر اور غیر مختون بچہ پیدا کیا تھا اسی طرح ایک نوزائندہ بچے کی طرح دوبارہ پیدا کرے گا۔ لیجئے صاحب پھر تو دنیاوی اعمال نیک و بد۔ گناہ ثواب۔ نامۂ اعمال۔ خیر و شر۔ پوچھ گچھ۔ دھر پکڑ۔ جنّت دوزخ کا قصہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ پھر تو ہر طرح کا خدشہ ہی تمام ہو جاتا ہے۔ اور پھر تو ہر طرف میدان حشر میں نوزائندہ بچوں کی چیخ پکار۔ رونے اور کلکاریاں مارنے کی آوازیں ہی سنائی دیں گی اور چاروں طرف بچے ہی بچے۔ اچکتے۔ ھمکتے اور ہاتھ پیر مارتے نظر آئیں گے۔ اور اس طرح وہ میدان حشر نہ ہو کر نوزائندہ بچوں کا ایک عظیم نمائش گاہ بن جائے گا۔!!



اسی سے ملتی جلتی قرآن حکیم کی ایک دوسری آیت پیش کرنے کی جرات کر رہا ہوں۔ جس پر چند قابل تحسین مفسّرین حضرات نے طبع آزمائی فرمائی ہے۔

"آخر تم ہمارے پاس تنہا آئے (اسی طرح) جس طرح تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔" (۶۔ ۹۵)۔

اس سلسلے میں کچھ حضرات نے "فرادیٰ" کے معنی "برہنہ" کے لئے ہیں جب کہ فرادیٰ کے لغوی معنی "الگ الگ" یا "تنہا" کے ہوتے ہیں۔ فرادیٰ فرد کی جمع ہے جس کے معنی طاق تنہا اور اکیلے کے ہوتے ہیں۔ اس آیت کو مکمل پڑھ لینے کے بعد مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ۔ "اور تم ہمارے پاس اسی طرح تنہا آئے جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو مال و متاع تم نے جمع کیا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے اُن سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے سفارشی ہیں۔ آپس کے سارے تعلقات منقطع ہو گئے۔ وہ جو وعدے کیا کرتے تھے سب جاتے رہے۔" (۶۔ ۹۵)۔

اس پوری آیت میں کسی جگہ اور کسی طرح بھی برہنہ محشور ہونے کا تصوّر نہیں ابھرتا۔ اور مقصد انتہائی واضح اور عیاں ہے کہ انسان جس طرح تنہا پیدا ہوا ہے اسی طرح اپنے اعمال نامہ کے ساتھ محشور ہوگا جہاں اس کے دنیاوی رشتے۔ ناتے۔ دوست احباب۔ مال و متاع۔ شریک کار اور سفارشی کوئی بھی ساتھ نہ ہوں گے یا پھر اس کی بہترین تفسیر تو یہی ہو سکتی ہے کہ تم تنہا ہی آ گئے اور حسب ہدایت رسولؐ اور آل رسولؐ کا وسیلہ ساتھ نہ لائے۔

خداوند کریم کے صفاتی ناموں میں ایک نام "ستّار" بھی ہے۔ جس کے معنی ہوتے

"ستر پوشی" اور "پردہ پوشی" کرنے والا۔ کیا کوئی بندہ خواہ وہ کتنا ہی گنہ گار کیوں نہ ہو اس ستار و غفار سے اس بات کی امید کر سکتا ہے۔ وہ خالق مطلق جس نے ہمیں دنیا میں ستر پوشی کا اور عورتوں کو چھپانے کا خصوصی حکم دیا ہے یہاں تک کہ اگر بندہ اس بات پر قادر نہ ہو کہ لباس فراہم کر سکے تو درخت کے پتوں سے اپنی پردہ پوشی کرے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو سکے تو گیلی مٹی ہی لپیٹ کر اپنی شرمگاہوں کو چھپائے۔ ان ہدایات کے پیش نظر کیا کوئی سوچ بھی سکتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اس مخصوص دن ایسی شرمناک حالت میں محشور کرے گا۔ تصور کیجئے ان بندوں میں صالحین بھی ہوں گے۔ متقی اور پرہیزگار بھی ہوں گے۔ خدا کے مطیع اور عبادت گزار بھی ہوں گے۔ شہداء اور مقرب بارگاہ پروردگار بھی ہوں گے۔ ان میں ایسے مخلص بندے بھی ہوں گے جنہیں دنیا میں کبھی کسی نے برہنہ تو کیا کبھی رفع حاجت کرتے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ ان میں مرد بھی ہوں گے، عورتیں بھی ہوں گی ذرا انصاف کیجئے کہ سارے کے سارے میدان حشر میں مادر زاد برہنہ اس ستار و غفار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔!! استغفراللہ: کیا مضحکہ خیز منظر پیش کیا ہے۔ کیا کہنا ان نقشہ بنانے والوں کا جن کی تفسیرات کے سامنے شیطان بھی مارے شرم کے سر جھکالے!! اسی سبب سے یوم محشر کا منظر بھی قرآن حکیم کی زبان میں پیش کرنا ضروری ہوگا

"اس دن (روز محشر) سے ڈرو جس دن کچھ چہرے نورانی ہوں گے اور کچھ لوگوں کے چہرے سیاہ" (۳۔۱۰۶)۔

"اور اس دن (روز محشر) جن کے چہرے پر نور برستا ہوگا وہ تو خدا کی رحمت میں ہوں گے۔" (۳۔۱۰۷)

RAJANI HUSAIN ALI AKBAR ALI



"اُس دن (روز محشر) بہت سے چہرے نورانی ہوں گے۔ خنداں اور شاداں" (۸۰۔۳۸)

"اُس دن (روز محشر) پرہیزگاروں کو (خدائے رحمٰن) اپنے سامنے مہمانوں کی طرح جمع کرے گا۔" (۱۹۔۸۶)

"جس دن (روز محشر) تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے داہنے ہاتھ دوڑ رہا ہوگا۔ ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہارے لئے خوشخبری ہے۔" (۵۷۔۱۲)

اب ان آیات قرآن کے پیش نظر ذرا اس مہمل اور رکیک حدیث کا نقشہ بھی ذہن میں کھینچئے اور پھر اس حدیث گھڑنے والے کرم فرماؤں پر یا تو دل کھول کر رو لیجئے یا پھر جی بھر کے ہنس لیجئے!!

کلام اللہ تو کہہ رہا ہے کہ اس دن بہت سے چہرے خنداں اور شاداں ہوں گے۔ خدا اس دن اپنے پسندیدہ اور برگزیدہ بندوں کو اپنے سامنے مہمانوں کی طرح جمع کرے گا۔ ان کے چہرے نورانی ہوں گے۔ ایک نور ان کے آگے آگے اور دوسرا نور ان کے داہنے جانب ان کے ساتھ چل رہا ہوگا۔ ذرا غور فرمائیے کیسی مضحکہ خیز حکایت گھڑی ہے ان اللہ کے مہمانوں کی جن کے اوپر نیچے، آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر جانب سے نور کی بارش ہو رہی ہوگی۔ ان کے چہرے بھی نورانی ہوں گے مگر ہوں گے غریب مادر زاد برہنہ۔ یہ مومنین کے ساتھ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے۔!! بھلا ایسے میں بھی خداوند ستار و غفار کے مہمان وہ مومن مرد اور مومن عورتیں خنداں اور شاداں دکھائی دے سکیں گے۔! وہ صف محشر ہوگی یا ان کرم فرماؤں کے مطابق بہروپیوں کا ایک بدترین اور ناپسندیدہ مظاہرہ۔!! ایک ایسا مظاہرہ جسے دنیا کی کوئی بھی

مہذّب قوم گوارہ نہیں کرسکتی۔

"جس دن (روزِ محشر) خداوند کریم نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں رسوا نہ کرے گا۔" (۶۶۔۸)۔

ایسے حدیث ساز حضرات کم ازکم اس آیت کریمہ سے ہی اپنی جہل کی تاریکیوں میں جھانک سکتے کہ بھلا ان اللہ کے مومن بندوں کے لئے "مادر زاد" برہنہ محشور کئے جانے سے بڑھ کر بھی کوئی رسوائی ہوسکتی ہے۔!

خدا مجھے اس بے باکی کے لئے معاف فرمائے۔ کاش اُن تاریک ذہنوں نے اس حدیث کو وضع کرنے سے اس کی چھان بین کی ہوتی اور رسولؐ اور ان کے اہلبیت کی مستند اور معتبر احادیث سے رہبری حاصل کی ہوتی تو یوں گمراہ کن حدیثیں نہ وضع کرتے اور نہ قبول کرتے۔!!

"کافی" میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ "اپنی اموات کو کفن اچھے دو کیوں کہ تم سب اپنے کفنوں میں مبعوث کئے جاؤ گے۔" اور اسی حقیقت کی طرف امام محمد باقرؑ نے اشارہ کرتے ہوئے خبر دی ہے کہ "جس شخص کو اس دن نور میسّر آیا اس نے ضرور نجات پائی اور مومن ایک بھی ایسا نہ ہوگا جسے اس دن نور میسّر نہ آئے۔"

ساحل ابن سہیل کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ کہتے سُنا ہے کہ "مومنین کے اعمالوں کا نور (حشر) کے روز مومنین کے آگے آگے اور ان کے داہنے ہاتھ دوڑتا ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ سب جنّت میں اپنے مکانوں میں جا اتریں گے۔"

میں اس عنوان کو اپنے ان دعائیہ جملوں کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اے مالک کائنات



تو ہم سب کو صراط مستقیم پر قائم رکھ۔ ہمیں راہ باطل سے بچاتے ہوئے راہ حق اور صراط مستقیم پر قائم رکھ۔ ہمیں اپنی پسندیدہ توفیقات عطا فرماتا رہ۔ اے خالق کائنات اے ربّ العالمین تو تمام مومنین اور مومنات کو رسولؐ اور آل رسولؐ کے صدقہ میں نجات دے۔ اے ہمارے پروردگار ہم سب گنہگار اور خطاکار ہیں۔ ہم سب تیرے انصاف کی نہیں تیرے کرم کے امیدوار ہیں۔!!

# روزِ محشر اعمال کا وجود

دورِ ماضی میں جب علم انسانی ابتدائی منزلوں پر تھا اور موجودہ دور کی طرح ارتقائی منزلوں کو نہیں پہنچا تھا۔ اس وقت لوگوں کا خیال تھا کہ مادہ اور طاقت دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ان کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر ذہن انسانی کی کاوشوں اور تجربات نے آج اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ مادہ کو طاقت میں بدلا جا سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آج کے مفکر، دانشور اور محقق تو اس بات پر بھی غور کر رہے ہیں کہ طاقت کو دوبارہ مادہ میں تبدیل ہو جانے کے امکانات ہیں اور وہ دن دور نہیں جب علم انسانی ان منزلوں کو پا سکے گا۔ اور طاقت کو دوبارہ مادہ میں تبدیل کیا جا سکے گا۔

غور کرنے کے بعد تو بہرحال آج بھی یہ بات ذہن میں آ جاتی ہے کہ منتشر طاقتوں کو دوبارہ یکجا اور اکٹھا کیا جا سکتا ہے جس سے انکار کی کوئی بھی دلیل نظر نہیں آتی۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ انسانی افعال خواہ وہ اعمال خیر ہوں یا اعمال شر یہ سب جسم کے اندر ذخیرہ ہیں اور اسی طاقت کے تحت ان کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ طاقتیں جب تک انسان زندہ رہتا ہے اس کے جسم میں ذخیرہ رہتی ہیں اور ہر فعل کے عمل میں آنے کے ساتھ خارج ہوتی رہتی ہیں۔ یہ طاقت خواہ آواز کی شکل میں باہر آئے۔ خواہ حرکت و عمل کی صورت میں ظاہر ہو خواہ کسی میکانیکی انداز میں خارج ہو۔ یہ ایک ایسی طاقت ہے جو ہر انسان کے جسم میں موجود ہے اور جس کا ماخذ غذاؤں اور مشروبات کی



شکلوں میں استعمال کیے گئے مادے ہی ہوتے ہیں۔ انھیں استعمال شدہ مادوں سے انسانی جسم میں ایک برقی طاقت پیدا ہوتی ہے جو جسد انسانی میں ذخیرہ ہوتی رہتی ہے اور جس کا اخراج کبھی ظلم و جبر کی صورت میں تو کبھی احسان، صدق اور رحم و کرم بن کر تو کبھی انصاف کی ترازو کی شکلوں میں سامنے آتا رہتا ہے۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ مادہ طاقت میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ سائنس نے تو یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ انسان کے نیک و بد خیالات، اس کے جذبات، اس کے خوف و خدشات جو ذہن میں بیدار ہوتے ہیں ان کا ریکارڈ قائم رہتا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تصورات اور احساسات کہیں ذہن کے تہ خانوں میں زندہ اور پائندہ رہتے ہیں اور وقت وقت پر اور موقع موقع پر ذہن کے تہ خانوں سے ان کا اخراج ہوتا رہتا ہے۔ یہ حسی طاقتیں اخراج کے وقت عامل کے چہرے، قیافوں اور جبینوں پر بھی پڑھی جا سکتی ہیں اور ان کا مشاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ اعمال کبھی اور میکانیکی انداز میں ظاہر بھی ہوتے ہیں اور اگر ایسا ہے کہ یہ جذبات محض احساسات کی سطح تک آ کر رک بھی گئے اور اس سے آگے نہیں بڑھے جب بھی ان کے تاثرات کبھی غصہ، کبھی مطلوبیت کبھی چہرے کی رنگت، کبھی غصہ کی سرخی، آنکھوں کی رنگت، جبینوں کے تیور سے یا پھر صدق و احسان کے مطمئن اور پرسکون احساسات اگرچہ ذہن انسانی سے عملاً باہر نہیں آتے پھر بھی ان عظیم طاقتوں کا اثر اور ان کا ردعمل قوائے انسانی پر ہونا لازمی ہوتا ہے جو کبھی دورانِ خون کی تیزی یا کمی کی صورت میں تو کبھی اختلاج قلب یا دوسرے قلبی یا ذہنی امراض کی شکلوں میں، کبھی اس کے اندرونی غدودوں کے مضطرب ہو جانے کی شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ ہمارے وہ سارے کے سارے نیک و بَد تخیلات۔ مغموم و مسرور احساسات سینوں میں دبے ہوئے جذبات۔ دلوں میں پوشیدہ ارادے خواہ ان کا اخراج ہو یا نہ ہو مگر ان کا ردِ عمل کائنات کی فضاؤں میں برقی لہریں اور ارتعاش ضرور پیدا کرتا ہے۔ ان اندرونی جذبات کا ہیجان اپنا مخصوص نسبتی ارتعاش اور مختلف لہریں پیدا کرتا ہے جو اپنے مخصوص رنگ اور مخصوص سرعت FREQUENCY کے ساتھ اپنا دائمی اور مستقل ریکارڈ فضائے کائنات میں چھوڑتا رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہمارے نیک و بَد احساسات۔ تصوّرات اور جذبات خواہ عملی شکلوں میں ظاہر نہ بھی ہوں پھر بھی ان کے اثرات کا ارتعاش لہروں کی شکلوں میں اپنے خصوصی شناختوں اور سُرعتوں کی شکلوں میں فضائے کائنات میں ذخیرہ ہوتے رہتے ہیں جو نہ تو کبھی مٹتے ہیں اور نہ فنا ہوتے ہیں اور اس طرح ہمارے محض خیالی اور جذباتی تاثرات تک اپنا ایک مستقل اثر کائنات کے اس فضائی بھنڈار میں ذخیرہ کرتے رہتے ہیں اس طرح ہمارے نیک و بَد جذبات اور احساسات تک ایک کبھی نہ مٹنے والے ریکارڈ ہیں جو قدرت کے محافظ خانوں میں اکٹھا ہوتے رہتے ہیں جو کبھی مستقبل میں ان اماتوں کو صاحبانِ امانت تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ مستقل ریکارڈ قانونِ فطرت کے تحت فضاؤں میں بلند ہوتے رہتے ہیں۔ اُوپر۔ اور اُوپر اور یہاں تک کہ روزِ محشر وہ ساری توانائیوں کے ساتھ ہمارے سامنے حاضر ہو کر ہمارے نیک و بَد اعمال کے مظہر ہوں گے۔!! اور پھر یہ سب دل میں چھپے ہوئے جذبات اور پوشیدہ ارادوں تک کی گواہی دیں گے۔ قرآن حکیم نے انھیں حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

"اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔۔۔کوئی پتہ نہیں



جھڑتا مگر وہ اسکو جانتا ہے۔" (۵۹.۶)۔

"وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ وہی دانا اور خبردار ہے۔" (۶.۷۴)۔

"کیا ان کو معلوم نہیں کہ خدا ان کے بھیدوں اور مشوروں تک سے واقف ہے اور یہ کہ وہ غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔" (۹.۷۹)۔

"وہ تو دلوں کے بھید تک سے واقف ہے۔" (۳۵.۳۸)

اس طرح ہمارے اعمال اور افعال جنہیں چاہے ہم بھول جائیں یا جنہیں ہم ناپسند ہی کیوں نہ کریں وہ ہمارے علم کے بغیر ہی قدرت کے محافظ خانوں میں محفوظ ہیں جو ایک وقت معین پر یا تو ہمیں ابدی سعادت یا ابدی شقاوت کا سزاوار بنا دیں گے۔

ہم نے مانا کہ آج ہمارا علم محدود ہے۔ تحقیق و دریافت محدود ہے۔ حصولِ نتائج کے ذرائع محدود ہیں مگر اس تیز رفتار سائنسی اور علمی ترقی کے دور میں ناممکن نہیں ہے کہ آنے والے وقتوں میں ہم پر اس کا انکشاف نہ ہو سکے۔ موجودہ دور میں بھی ہم ترقی کی ان منزلوں تک تو بہرحال پہنچ ہی چکے ہیں کہ مدتوں پہلے کے بزرگوں اور دانشوروں کی آوازیں ٹیپ کر لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ آج ہم نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ موجودہ انسانوں کے اعمال اور افعال کائنات کی فضاؤں میں ایسا ارتعاش اور ایسی لہریں پیدا کرتے ہیں جو پانی کی لہروں کی طرح ایک کے بعد ایک آگے بڑھتی چلی جاتی ہیں۔

دورِ پارینہ کے گھڑوں میں جمع شدہ آوازوں کو دوبارہ لوٹایا جا رہا ہے۔ آج کے طاقتور نیوکلیائی دوربینوں کی مدد سے ماہرینِ علم افلاکیات اور سیارگان دور دراز کہکشاؤں سے آنے والی روشنی کی لہروں۔ رنگت اور ان کے انعکاس سے ان کی دوری۔

جسامت [illegible] اندازہ [illegible] کامیاب [illegible] اور قدرت
[illegible] معلوم [illegible] تو پھر [illegible] سے انکار کر سکتے
[illegible] عمل اور انکار [illegible] نقصان [illegible]
[illegible] لمبے [illegible]
[illegible] موجود [illegible] اور پھر [illegible]
[illegible]
[illegible] ہمارے [illegible]
[illegible] اور واقعات
[illegible] نظام قدرت [illegible]
ہزاروں [illegible] دور [illegible] پہنچ [illegible] تو جب [illegible]
چیز مربوط اور ایک [illegible] اور [illegible] اور زمانوں سے
وابستہ [illegible] متاثر [illegible] اور جو آخر کار
[illegible] اس بات سے انکار [illegible] کہ اگر ہم کسی ذریعے سے
[illegible] نظام شمسی کے دوسرے سیاروں تک پہنچنے میں کامیاب ہو [illegible] تو جو حادثات
یا واقعات ہماری اس دنیا [illegible] بہت زمانہ قبل ہو [illegible] انھیں دوسرے سیاروں میں
ہزاروں سال بعد بھی دیکھ سکتے ہیں۔ [illegible] ایک ایسی سرعت رفتار کی ضرورت
ہوگی جو [illegible] اور ساتھ ہی ساتھ [illegible] بھی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]



روشنی کا تسلسل ہمارے ساتھ اب تک قائم ہے۔

اس طرح زمانے [illegible] کے [illegible]
[illegible] مستقبل [illegible]
[illegible] اور [illegible]
[illegible]
مثبت اور منفی نتائج اور انجام [illegible]
[illegible] سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت
ہر چیز منکشف ہو جائے گی۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم نے [illegible]
[illegible] حقیقت [illegible]

[illegible]
[illegible] مشعل [illegible] مصیبت
[illegible] ساتھ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہدایت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اور [illegible] انکار [illegible] ہمارے اعمال

صالح اور پسندیدہ ہوں۔

تمہارے جذبات فرحت بخش اور روح افزا ہوں۔ تمہارے بیرونی اعمال اور داخلی افکار خوش آئند اور خوش کُن ہوں۔ اور ان تمام اعمال پسندیدہ اور افعال رخشندہ کی معراج ہے اپنے نفس پر قابو پالینا دنیا میں کامیاب اور کامران زندگی گزارنے کے لئے حضرت علیؑ کے مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ہر شخص اپنی زندگی کامیاب بنا سکتا ہے۔

(۱) ہر شخص کے اندر دو طاقتیں ہوتی ہیں ایک عقل اور دوسری نفس۔ جب انسان کی عقل نفس پر غالب آگئی تو وہ فرشتوں سے بہتر اور جس کی نفس اس کے عقل پر غالب آگئی وہ حیوانوں سے بدتر ہو جاتا ہے۔

(۲) جب اپنے دشمن پر قابو پا جاؤ تو اس کو معاف کر کے اس نعمت کا شکر ادا کرو۔

(۳) بڑے گناہوں کے کفارہ ہیں مصیبت زدوں کی فریادرسی اور مبتلائے رنج کی تکلیف کو دور کر دینا ہے۔

(۴) کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو دل کی کوئی بات چھپائے اور وہ اس کی زبان کی اتفاقی گفتگو اور چہرہ کے اتار چڑھاؤ سے ظاہر نہ ہو جائے۔

(۵) دنیا ایک راستہ ہے ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ اس میں دو طرح کے آدمی ہیں۔ ایک وہ شخص جس نے اپنے نفس کو بیچ دیا تو دنیا نے اسے تباہ کر دیا۔ اور ایک نے اپنا نفس اُس سے خرید لیا تو دنیا نے اُسے آزاد کر دیا۔

(۶) صابر کامیابی ضائع نہیں کرتا چاہے کتنا ہی زمانہ گزر جائے۔

(۷) جس نے دنیا سے دل لگایا اُسے تین چیزیں لگ جائیں گی (۱) مسلسل غم (۲) لگاتار



لالچ (۳) ناکام آرزوئیں۔

(۸) بہترین عمل وہ ہے جس پر تم اپنے نفس کو مجبور کر لو۔

(۹) جسم کی تندرستی حسد کی کمی پر ہے۔ (حسد آدمی کو پگھلا دیتا ہے)۔

قرآن حکیم نے دنیا میں کامیاب و کامران رہنے کے بڑے حکیمانہ طریقے تعلیم کئے ہیں۔ "یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے اعمال خیر کی دوہری جزاء دی جائے گی۔ چونکہ انھوں نے صبر کیا اور بدی کا بدلہ (دفیعہ) نیکی سے کیا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں عطا کیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں بھی خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اور جب کسی سے کوئی بُری بات سُن لی تو اس سے کنارہ کش رہتے ہیں اور صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے واسطے ہماری کارگزاریاں اور تمہارے واسطے تمہاری کارستانیاں" (۲۸۔۵۴، ۵۵)۔ اور اس طرح تعلیمات قرآن اور فرامین معصومین پر عمل کرتے ہوئے انسان ان ناپسندیدہ محرکات سے بچ سکتا ہے جن کے تاثرات لہروں کی شکلوں میں فضائے کائنات میں معدوم نہ ہو کر ابدلآباد تک باقی رہتے ہیں۔ یہ فضائے [illegible] فطرت کے محافظ خانوں میں محفوظ رہتے ہیں۔ علمی اعتبار سے یہ ایک ایسا پختہ اور لازوال قدرتی ذخیرہ ہے جو انسان کے تمام مثبت اور منفی اعمال و افکار کو قائم و دایم رکھتا ہے اور کبھی مستقبل میں موافق اور مناسب حالات میں فطرت یہ سب امانتیں صاحب امانت کو لوٹا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے!!

فطرت کے محافظ خانوں میں ذخیرہ شدہ یہ انسانی اعمال خیر و شر کی طاقتیں ایک نئی شکل میں ظاہر ہوں گی اور دوبارہ مادی شکلوں میں ظاہر ہو کر میدان حشر میں فائل کے خلاف یا موافق گواہیاں دیں گی جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسے

محفوظ رہتا ہے اور سائنس نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ انسان کے اندر یہ ذخیرہ شدہ شعاعیں کبھی رحمت بن کر کبھی اصلاحی اور تعمیری تو کبھی غلط اور جابرانہ شکلوں میں خارج ہوتی رہتی ہیں جو اعضاء جسمانی کی نقل و حرکت یا تاثرات سے بھی ظاہر ہوتی ہیں اور فطرت کے عظیم خزانہ کائنات میں باقی رہتی ہیں اور پھر اس بات پر عجب نہ کیجئے کہ یہ ساری [illegible] ایک دن ثواب عظیم یا عذاب علیم بن کر [illegible] فانی کو دوبارہ [illegible] پھر اس وقت وہ ان فطری حسنات [illegible] ہوں گے وہ [illegible] کر سکے گا۔ اور [illegible] اعمال کا بوجھ [illegible] ہوگا جس کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ [illegible] حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے" (۷۴-۳۸)۔ [illegible] "ہم نے ہر انسان کا نامۂ اعمال اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے اور روز حشر ہم اسے اس کے سامنے کھول کر رکھ دیں گے جیسے وہ اپنے سامنے ایک کھلی ہوئی کتاب پا لے گا [illegible] پڑھ لے آج اپنا حساب لینے کے لئے تو خود ہی کافی ہے" (۱۷-۱۳-۱۴)۔ [illegible] سے اس کتاب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا انسان کو اس کے تمام اعمال یاد دلائے جائیں گے گویا [illegible] وقت کیا ہے۔ [illegible] لئے گنہگار کہیں گے [illegible] افسوس یہ کیسی کتاب ہے [illegible] نے چھوٹے بڑے کسی عمل کو چھوڑا ہی نہیں ہے۔ اس روایت سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی دنیاوی کتاب جیسی نہ ہوگی جس کو انسان شروع سے لے کر آخر تک [illegible] ریکارڈ کی اور اس کے پڑھنے کی کیفیت بھی مادی نہ [illegible] ہوگی بلکہ



اعمال و افکار یا تو خود اس کے اندر اور یا پھر فضا [illegible] فطرت میں محفوظ ہیں جن کا اس سے محاسبہ کیا جائے گا۔ قرآن حکیم نے [illegible] کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"ہم یقیناً مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو کچھ وہ پہلے بھیج چکے ہیں یا پیچھے چھوڑ جاتے ہیں ان کی نشانیوں کو لکھتے جاتے ہیں" (۳۶-۱۲)۔

میں رسولؐ کی مندرجہ ذیل حدیث [illegible] عنوان کی ایک اہم کڑی ہوتی [illegible] عنوان کو ختم کرتا ہوں۔!!

- قیس بن عاصم کا بیان ہے [illegible] آئے ہوئے ایک وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا [illegible] عرض کی کہ "حضور ہم بہت دور صحرا کے رہنے والے ہیں۔ ہمارا شہر آنا بہت کم ہوتا ہے اس لئے اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر آپ سے کچھ نصیحت حاصل کرنا چاہتے ہیں" حضور نے فرمایا: "اے قیس! عزت کے ساتھ ذلت ہے اور یقیناً زندگی کے ساتھ موت ہے۔ ہر عمل کا حساب ہوگا اور ہر چیز پر نگران موجود ہے۔ ہر نیکی کا ثواب اور ہر برائی کی سزا ہے اور اے قیس سنو! تمہارے ساتھ تمہارا ایک ہم نشین کا بھی دفن ہونا ضروری ہے جو زندہ [illegible] تم مردہ ہوگے۔ اگر وہ ہم نشین کریم ہے تو تم پر کرم کرے گا اور اگر [illegible] تو تمہیں [illegible] کر دے گا۔ پھر اس کا حشر بھی تمہارے ساتھ ہی ہوگا اور روز حشر تم بھی اس کے ساتھ اٹھائے جاؤ گے۔ تم سے صرف اسی کے بارے میں پوچھا جائے گا لہذا تم اس کو صالح قرار دو۔ اگر وہ صالح ہے تو تم اس سے مانوس ہوگے اور اگر غیر صالح ہے تو تم اس سے متوحش ہوگے۔ اور وہ تمہارے اعمال ہیں۔"

# اعمال کے میزان

روزِ محشر ہمارے اعمال جن میزانوں پر تولے جائیں گے۔ ان کا تصور نہ تو ہم اس دنیا میں کر سکتے ہیں اور نہ ان کا ادراک کر لینا ہمارے لئے ممکن ہے۔ کیونکہ ایسی کوئی چیز نہ تو ہم نے اس دنیا میں کہیں دیکھی ہے اور نہ ایسا کوئی تجربہ ہی کیا ہے۔ اس کے بعد اگر ہم اس ترازو کا اپنے ذہن میں کوئی نقشہ بنائیں بھی تو وہ مہمل اور بے معنی ہی ہوگا۔ اس لئے اگر ہم یہ سوچنے لگیں کہ اس دنیا کی طرح وہاں پر بھی ترازو ہوگی۔ باٹ ہوں گے۔ اعمال کا کوئی ڈھیر ہوگا جو اس ترازو پر تولے جائیں گے یا دنیاوی معاملات کی طرح وہاں پر بھی ہمارے اعمال کے متعلق تفتیش اور تحقیق ہوگی اور احکام صادر کئے جائیں گے تو یہ سب درست نہیں ہوگا۔

اس سلسلے میں سوچنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہ اُس عالم کی بات ہے جو ہماری دنیا سے بالکل جداگانہ اور الگ ہے۔ اور وہاں کے حالات کا ہم اپنی دنیا سے کوئی نہ تو موازنہ کر سکتے ہیں اور نہ کوئی تمثیل پیش کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر وہاں کی میزان اور طرزِ میزان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو وہ محض ارشاداتِ قرآن حکیم یا تعلیماتِ معصومینؑ سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ میزان کے سلسلے میں قرآن حکیم میں آیا ہے۔

"اسی نے آسمان بلند کئے۔ اور ترازو قائم کی۔" (۵۵۔۷) یا

"اور روزِ محشر تو ہم انصاف کے ترازو قائم کر دیں گے۔ پھر کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا عمل ہوگا تو ہم اسے لاکر حاضر



کریں گے اور ہم حساب کرنے کے واسطے بہت کافی ہیں۔" (۲۱۔۴۷)۔

غور فرمائیں کہ موجودہ ترقی کے دور میں ایسے ایسے میزان اور آلات ایجاد ہو چکے ہیں جن سے ہوا کا دباؤ۔ جسم کی حرارت۔ دورانِ خون اور بجلی کی لہروں وغیرہ کی مقدار معلوم کی جا سکتی ہے اور آج ایسی مشینیں بھی ایجاد ہو چکی ہیں جن سے آدمی کے سچے اور جھوٹے بیانات کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ کل ایسے آلات بھی بنائے جا سکیں جن سے نیتوں کی کیفیت۔ کئے گئے اعمال کی نیت اور جذبات کی حقیقت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اور پھر یہ قبول کر لینا بھی دشوار نہیں ہوگا کہ اگر ہم ابھی اپنے تحقیقی دور میں یہاں تک پہنچ پائے ہیں تو عالمِ آخرت میں تو اس خالقِ مطلق اور خالقِ علم و عقل کے یہاں ایسے آلات کا قائم کیا جانا خلافِ عقل نہیں ہے اور ایسے سارے آلات اور میزانیں وہاں موجود ہوں گی اور بروئے کار لائی جائیں گی۔

عالمِ عقبیٰ میں روزِ محشر اس طرح کے دقیق۔ باریک بین اور حساس آلات موجود ہوں گے جن سے روحانی۔ نفسانی اور جذباتی احساسات اور کیفیتوں تک کو تولا جا سکے گا۔ یہی نہیں بلکہ انسان کے اعمالِ خیر و شر کے مقاصد۔ جذبات کی پاکیزگی۔ عقاید کی بلندی اور مضبوطی۔ بے نیازی۔ بے لوثی اور احساساتِ خوشنودیٔ خدا اور حقیقی مقاصد کا بھی صحیح اور واضح اندازہ لگایا جا سکے۔ اسی طرح بداعمالیوں کی قباحت۔ انتہائے ظلم و جبر۔ اپنے معبود کی طرف سے لاتعلقی اور خودسری جیسے منکر جذبات ان کی انتہائے ذلالت کو اسکے عشرِ عشیر تک معلوم کیا جا سکے گا۔ اور اس طرح اس دنیا میں نہ تو ہم اُن میزانوں اور پیمانوں کا کوئی اندازہ ہی لگا سکتے ہیں اور نہ ان کا ادراک ہی کر سکتے ہیں۔

میدانِ حشر کے متعلق پوچھے جانے پر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ موازین سے مراد انبیاء اور صالحین کے کردار اور ان کی مثالی زندگیاں ہیں۔ یہی حضرات انسانیت کامل ہیں۔ اس روایت سے یہ بات سامنے آجاتی ہے انھیں حضرات کی مثالی زندگیاں ہیں جن کی بنیادوں پر ہمارے اعمال اور ایمان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ ہمارے اندر کس جگہ اور کہاں پر اور کس حد تک کمی ہے اور محرومی ہے۔ انھیں صالحین اور متقین کے فضائل اور کمالات کو سامنے رکھ کر ہم اپنا معیارِ عمل قائم کرسکتے ہیں اور اس سلسلے میں جو حقیقتیں آج مہمل لگ رہی ہیں وہ سب روزِ محشر واضح ہوجائیں گی۔

عمل کے سلسلے میں یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہوگا کہ محض عمل ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ معیارِ عمل کے لئے نیتِ عمل، خلوصِ عمل، ان کا موقعہ اور محل بھی انتہائی اہم اور ضروری ہے۔ عدالتِ الٰہیہ میں نیتوں، ضمیروں اور اغراض کو بھی جانچا اور پرکھا جائے گا۔ وہ عمل جو قربتاً الی اللہ سے خالی اور محض دکھاوے اور ریاکاری کے لئے ہو وہ محض معاشرہ کی نگاہوں میں تو محترم ہو سکتا ہے مگر بارگاہِ خدا میں وہ عمل درجۂ مقبولیت تک پہنچ سکتا اور آخرت میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی اور ایسا عمل ایک جسمِ بے روح سے زیادہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسے شخص نے اپنا دین دنیا کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ۔

"تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کام میں سب سے اچھا کون ہے" (۲-۶۷)۔

اس سلسلے میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ "اس سے زیادہ عمل کرنا مراد نہیں ہے بلکہ صحیح عمل کرنا مراد ہے"۔ عمل خالص ہو۔ خوشنودی خدا کے لئے ہو اور قربتاً الی اللہ ہو۔ انسان کا ایمان اور اعتقاد خدا پر جس قدر قوی ہوگا اس کے اعمال بھی اسی قدر



قوی ہوں گے۔ کیونکہ ایسے اعمال میں خلوص ہوگا اور اس کی بہ خوبی تکمیل کی شرط ہوگی۔

آخر میں مولائے کائنات کی اس مناجات کے ساتھ اس عنوان کو تمام کرتا ہوں۔

"میرے پروردگار میں تجھ سے تیرے حق کا واسطہ دے کر اور تجھ سے تیری قدوسیت کا واسطہ دے کر تیری بڑی سے بڑی صفت اور بڑے سے بڑے نام کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میرے رات اور دن کے اوقات اپنی یاد سے معمور کردے۔ اپنی خدمت میں لگے رہنے کی دھن لگا دے اور میرے اعمال کو اپنے حضور میں قبول فرما۔ تاکہ میرے کل اعمال اور میرے کل وظائف کی ایک ہی ورد بن جائے اور مجھے تیری خدمت کرنے میں دوام حاصل ہو جائے"۔ (نہج البلاغہ)

# یہ ثواب اور عذاب دائمی کیوں؟

حیات بعداز موت کے سلسلے کا یہ انتہائی اہم اور غور طلب مسئلہ ہے۔ کہ عاقبت میں نافذ کی جانے والی سزائیں عنایت کئے جانے والے انعامات اور جزائیں دائمی کیوں۔ انسانی زندگی خواہ وہ کتنی ہی طولانی کیوں نہ ہو اس کی کوئی حد ضرور ہوگی ڈھائی سو سال۔ ڈھائی ہزار سال یا ڈھائی لاکھ سال۔ اور کسی حال میں بھی انسانی زندگی کو دائمی نہیں کہا جاسکتا۔ جب کہ یہ دنیا جس میں ہم رہ رہے ہیں خود فانی ہے۔ پھر اس دنیا میں کئے جانے والے اعمال خواہ وہ نیک ہو یا بد ان کی بھی ایک حد اور مدت ہوگی اور اس طرح اگر کسی نے تاحیات بدی کی۔ ظلم کئے۔ فتنہ و فساد برپا کئے۔ کشت و خون کیا پھر بھی محض اپنی مدت حیات تک ہی اور بس۔ اس طرح اس کے اعمال کی مدت بھی اس کی زندگی کے ساتھ ختم ہوگئی۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس محدود مدت تک کئے گئے اپنے کار خیر یا کار شر کے نتیجہ میں وہ دائمی اور ہمیشگی کے عذاب الیم یا ثواب نعیم میں کیوں مبتلا ہوگا! یا دوسرے لفظوں میں دنیا کے محدود اعمال نیک و بد کی عقبیٰ کی لامحدود جزا اور سزا سے کیا نسبت ہوسکتی ہے!!

خدا مالک روز جزا ہے۔ وہ رحمٰن بھی ہے۔ رحیم بھی ہے۔ منصف بھی ہے۔ عادل بھی ہے۔ اور پھر دنیاوی قوانین تو ایسے نہیں ہیں۔ یہاں بھی سزا جرم کے مناسبت سے ہی دی جاتی ہے۔ یہاں تو ہر جرم کی سزا مقرر ہے۔ اگر کسی نے قتل کیا ہے تو پھانسی اور اگر یہی جرم پوری طرح ثابت نہ ہوسکا تو عدالت موت کی سزا کو قید تا



یا پھر اس سے بھی کم دیتی ہے۔ اسی طرح ایک ہی جرم کی کیفیات بھی مختلف ہوسکتی ہیں اور سزائیں بھی ان کیفیات۔ احساسات۔ ماحول اور جذبات کا احساس کر لینے کے بعد ہی دی جاتی ہیں۔

میں نے ، نا کہ دنیا میں کئے گئے گناہان عظیم کی سزا عاقبت میں ایک ایسے عذاب الہٰی کا مظہر ہو جو دائمی اور لامحدود مدت تک کے لئے ہو تو اس کے تصور سے ہی دل ڈوبنے لگتا ہے۔ جسم میں لرزہ طاری ہو جاتا ہے! یہ محدود مدت تک کئے گئے گناہان عظیم کی سزا لامحدود مدت تک کے لئے ہی نہیں بلکہ کبھی کبھی تو لمحہ بھر کی لغزش بھی ابدی سزا اور لامحدود عتاب الہٰی بن جاتی ہے۔ اگرچہ یہ اعلانات محض صداقت نقطہ نظر سے ہی کیوں نہ ہوں مگر ایک سوالیہ نشان ضرور ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ حقیقت واضح ہو جانا چاہئے کہ وہ ایوان عدل الٰہی ہے۔ وہاں صرف انصاف ہے۔ وہاں عدل ہے۔ وہاں ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا۔ وہاں کسی کا عمل بے جزا نہیں رہے گا۔ وہاں عمل صالح اور عمل غیر صالح کا محاسبہ ہوگا۔ وہاں ذرہ برابر بھی نیکی کا ثواب اور ذرہ برابر بھی بدی کا عذاب ہوگا۔

"تو جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی بدی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا" (۹۹۔۸) ساتھ ہی ساتھ خدا کی رحمت مومن بندہ کے لئے مخصوص ہے۔ مومن کے لئے وہ رحیم بھی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ صورتحال پر نظر رکھتے ہوئے اور گنہگار کی ندامت اور پشیمانی پر رحم کرتے ہوئے وہ اسے معاف بھی کردے اس لئے کہ گنہگار کے احساس پشیمانی اور رعایت الٰہیہ میں گہری مناسبت ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اصحاب جنت کے محدود زندگی میں کئے گئے اعمال خیر و افعال

صالح کی بنا پر دائمی راحتیں اور ہمیشگی کی مسرتیں کس طرح بن سکتی ہیں. تو اس سلسلے میں اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہوگا کہ اہل بہشت کی جزاؤں کو اہل دوزخ کی سزاؤں سے منسوب اور ہم آہنگ نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں کی بنیادیں الگ الگ دو قسموں کی ہیں سزاؤں کا جزاؤں سے نہ تو کوئی واسطہ ہے اور نہ کوئی رشتہ ہو سکتا ہے۔ ثواب انسانی زندگی کا ایک روشن اور مثبت پہلو ہے جس کی جزا اس کے دینے والے کے فضل وکرم پر منحصر ہے۔ اور ہر کار خیر اور عمل صالح کا موقع۔ محل اور کرنے والے کے جذبات کی بلندی اور اس کا خلوص بھی جزا دینے والے کے پیش نگاہ ہوتا ہے. خدا صرف عمل ہی نہیں دیکھتا بلکہ کرنے والے کا جذبۂ عمل. نیت عمل اور موقعہ عمل بھی دیکھتا ہے اور انھیں کے مطابق جزا کے درجات اور منزلیں بھی بڑھتی رہتی ہیں. خدا کی یہ سب عنایات اور مومنین پر نوازشیں دائمی اور ہمیشگی کی ہوں گی. کیونکہ ایک مومن جو نیک اور مقبول بارگاہ بندہ عمل کرتا ہے وہ سب اس نیت کے ساتھ کرتا ہے کہ اگر اس کی حیات دائمی ہوتی تو وہ اپنے ان نیک اعمال کو ہمیشہ انجام دیتا رہتا. ایک مومن کامل اور متقی بندہ کے اعمال میں نہ تو ریاکاری ہوتی ہے اور نہ محض وقتی اور دنیا کو دکھانے کا جذبہ۔

اب رہی گنہگاروں کے دائمی عذاب کی بات تو یہ ایک طولانی بحث ہے. گنہگاروں پر کئے جانے والے عذاب کے متعلق ارشادِ ربُّ العالمین ہے کہ نہ تو اس میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ ایک لمحہ کے لئے کمی کی جائے گی. ان پر کیا جانے والا عذاب مسلسل ہوتا رہے گا اگرچہ اس کے دنیاوی گناہ اس کی مدت حیات تک ہی رہی ہو. ساتھ ہی ساتھ نہ تو اس نے اپنے ان گناہان کبیرہ اور صغیرہ سے کبھی توبہ کی اور نہ پر کبھی نادم ہی ہوا. بلکہ اس کا ارادہ تو یہی تھا کہ اگر وہ ہمیشہ زندہ رہتا تو ہمیشہ اسی طرح گناہ. ظلم. جبر اور فساد کرتا رہتا۔



چونکہ حضرات صوفیہ [illegible] دل کے بہلانے والی طفلانہ تسلی کے لئے تاویلیں [illegible] اس طرح سے [illegible] کہ ہمیشگی سے صرف مدت دراز مراد ہوتی ہے. اس طرح کی تاویلات کر کے شاید وہ خود بھی مطمئن ہوگئے اور دوسروں کو بھی مطمئن کرنے میں کامیاب ہو بیٹھے. مگر ایسی تاویلیں نہ تو جائز ہیں اور نہ ہی قابل قبول. تاویلیں وہی مناسب ہیں جو آیات قرآن پر کوئی اعتراض نہ کرتی ہوں اور نہ احکام قرآن کے خلاف جاتی ہوں ورنہ غلط تاویلیں اس کے لئے خود گناہ عظیم بن سکتی ہیں. قرآن تو نہایت واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ یہ عذاب دائمی ہوں گے اور ہمیشہ کے لئے ہوں جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہو رہا ہے۔

"کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جو خدا اور رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اسی کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور یہی تو سب سے بڑی رسوائی ہے"۔ (۹۔۶۳) یا

"جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا یہی لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے"۔ (۲۔۳۹)

"اور تم میں جو دین سے پھر جائے اور کفر کی حالت میں مر جائے اس کے تمام دینی اور دنیاوی اعمال اکارت جائیں گے اور یہی لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے"۔ (۲۔۲۱۷)

اب کیا اس کے بعد بھی ان آیات کی کوئی صراحت اور وضاحت باقی رہ جاتی ہے. اور کیا کسی طرح بھی ان ارشادات خداوندی سے انکار کیا جا سکتا ہے! جو ہمیشگی کی دوزخ کا اعلان کر رہی ہیں!!

عذاب کے دائمی اور ہمیشگی کے اعلان میں انسان کے اصلاحی پہلو بھی نمایاں ہیں

اور بندہ خوف عذاب الٰہی کے پیش نگاہ بہت سے جرائم کے ارتکاب سے باز بھی رہ سکتا ہے یا اپنے کئے ہوئے گناہوں سے توبہ بھی کر سکتا ہے۔ یہ اعلان خطرہ کی ایک ایسی گھنٹی ہے جو اکثر انسانوں کو گناہوں سے بچا بھی لیتی ہے۔ وہ اپنے انجام سے باخبر ہو جاتا ہے۔ خدا کے پسندیدہ کاموں کے کرنے اور گناہوں سے پرہیز کرنے کا متمنی بھی ہو جاتا ہے اور اس طرح برے اعمال کے برے نتائج کا خوف انسان کو ایک با اصول آدمی بنا دیتا ہے۔ وہ اپنے اچھے اور برے اعمال کا محاسبہ کرتا ہے اور پھر اپنے نیک اعمال کے ذریعہ سے خدا کی عنایات کی امیدیں بھی لگاتا ہے۔

اسی لئے تو اسلام نے تعلیم دی ہے کہ انسان کو خوف و رجاء کے مابین زندگی بسر کرنی چاہئے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ "خوف دل کا رقیب ہے اور امید نفس کی شفیع ہے اور جو شخص عارف باللہ ہوگا وہ خدا سے خائف بھی ہوگا اور اس کا امیدوار بھی ہوگا۔ خوف و رجاء ایمان کے دو بازو ہیں جن کے ذریعہ سے ایک سچا بندہ رحمت الٰہی کی طرف پرواز کرتا ہے۔" آپ فرماتے ہیں کہ "موت کا ذکر نفسانی خواہشات کو مار دیتا ہے۔ غفلت کے سرچشمہ کا قلعہ قمع کر دیتا ہے۔ وعدہ ہائے الٰہی سے دل کو قوت دیتا ہے۔ طبیعت میں نرمی پیدا کرتا ہے۔ خواہشات کے پودوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے اور حرص کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔" رسولؐ کی اس حدیث کا کہ "ایک گھنٹہ کی فکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔" کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے۔ امام زین العابدینؑ اپنی مناجات میں خدا سے دعا کیا کرتے ہیں کہ "خدایا مجھے ایسی زندگی دے جسے میں تیری عبادت میں صرف کروں اور اگر میری زندگی شیطان کی چراگاہ بننے والی ہو تو اپنی ناراضگی سے پہلے اور میرے اوپر اپنا غضب مستحکم کرنے سے پہلے مجھے موت دے دے۔"



اب رہا یہ کہ چونکہ انسان کا تعلق اس دنیا سے بھی ہوتا ہے جس میں خدا نے ہر طرح کی لذتیں اور سعادتیں بھی فراہم کر رکھی ہیں اور جنہیں حاصل کرنے کی خواہش فطری ہے اور اس کی تمنا ہوتی ہے کہ ان سے لطف اندوز ہو۔ انسان کی خواہشات موت تک باقی رہتی ہیں اس لئے خدا نے پاک و پاکیزہ لذتوں سے لطف اندوز ہونے سے روکا بھی نہیں ہے اور نہ ہی ترک دنیا کی تعلیم دی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ حکم بھی دیا ہے کہ کہیں دنیا کی چند روزہ لذتیں تمہیں دھوکے میں نہ ڈالیں کہ تم عاقبت کی دائمی لذتوں کو فراموش کر دو اور پھر دنیا کے دھوکے میں آ کر آخرت کی دائمی لذتوں سے محروم ہو جاؤ۔

اب ہم انسانی زندگی کے علمی پہلو پر غور کرتے ہیں کہ اس فانی زندگی میں کئے جانے والے اعمال کا صلہ لامحدود اور دائمی کیوں ہوگا۔

ایک شخص اگر کسی بے دینی یا کسی طرح کی مضر رسم کو شروع کر دیتا ہے یا کسی طرح کی گمراہی کی ابتدا کر دیتا ہے تو اس پر عمل پیرا ہونے والے تو مجرم ہوں گے ہی مگر اس رسم خبیثہ کا موجد جس نے ایک ایسا مذموم طریقہ رائج کر دیا ہے جس کا اثر نہ تو کبھی ختم ہونے والا ہے اور نہ مٹنے والا ہے تو اس کی سزا دائمی اور ہمیشگی کی ہی ہونی چاہئے جسے نہ تو انصاف سے بعید کہا جا سکتا ہے اور نہ خلاف عدل ہی کہا جا سکتا ہے۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ "اگر کسی بندہ نے گمراہی کا راستہ ایجاد کیا جو جتنے اس راستہ پر چلنے والے ہیں ان سب کے گناہ اس موجد کے نام لکھے جائیں گے اور گناہ کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کمی نہ ہوگی۔"

اسی طرح کسی جرم کی مدت سزا مدت جرم کے متناسب ہونے کا نظریہ بھی کسی

RAJANI HUSAIN ALI AKBAR ALI



ذی فہم کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی نے کسی کو چھرا مار کر ہلاک کر دیا تو اس کا یہ جرم تو شاید مشکل سے چند منٹوں کا تھا مگر قتل کے جرم میں [illegible] سال کی قید با مشقت کی سزا ہو جاتی ہے تو کیا یہ سزا دنیا کے قوانین [illegible]
قابل قبول نہیں ہے!

[illegible] قدرت کے تحت ایسے حادثات [illegible] قدرت کے ضابطوں سے [illegible] [illegible] بنیاد [illegible] [illegible] نوجوان کے ذہن یہ خیال [illegible] [illegible] خواہش کے لئے بلا سوچے سمجھے چھت سے چھلانگ لگا دیتا ہے۔ [illegible] ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے اور وہ [illegible] ہو جاتا ہے اور [illegible] تو ساری زندگی بیٹھ سکتا ہے اور نہ [illegible] [illegible] بن جاتی ہے۔ آپ غور فرمائیے [illegible] مدت تو فقط چند [illegible] یعنی صرف چھت سے زمین تک آنے کی [illegible] بنا دیا۔ اب یہ سزا اسے بھگتنی ہوگی [illegible] بھی زیادہ۔ تو پھر قدرت کے [illegible] سکتی ہے۔ ان [illegible] عمل کی مدت [illegible] سامنے آتا ہے [illegible] عمل کی مدت میں مساوات کیسے قائم رہ سکتی ہے! جب دنیاوی قوانین [illegible] منافی نہیں ہیں۔ جب قانون قدرت [illegible] کی واضح مثالیں اور نظریں آتے [illegible] تو پھر عدالت الٰہیہ ان کے منافی کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر وہ نوجوان [illegible]



سال زندہ رہتا یا اگر اس کی ہمیشگی کی زندگی ہوتی پھر بھی وہ اس عذاب الیم میں ہی مبتلا رہتا۔ اسی طرح وہ انسان جس نے عمداً اعمال بد کئے احکام الٰہی کی نافرمانی کی اور اپنے نفس کو گناہوں میں آلودہ کرتا رہا وہ اپنے اعمال کے نتائج ابدالآباد تک بھگتے گا خواہ وہ اسے پسند کرے یا نہ پسند کرے۔

امام جعفر صادقؑ کی اس حدیث سے جہنمی پر دائمی عذاب کی وجہ کی وضاحت ہو جاتی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ "جہنمی کو ہمیشہ جہنم میں رہنے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اس کی نیت یہ تھی کہ اگر ہم دنیا میں ہمیشہ رہیں گے تو ہمیشہ ہی [illegible] رہیں گے اور ہمیشہ ہی خدا کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور جنتیوں کے ہمیشہ جنت میں رہنے [illegible] یہی ہوگی کہ ان لوگوں کی نیت یہی تھی کہ اگر ہم ہمیشہ دنیا میں رہیں گے تو ہمیشہ اعمال خیر اور اطاعت پروردگار کرتے رہیں گے۔"

آخر میں یہ بات واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ دنیا کی [illegible] [illegible] قابل قبول ہے [illegible] [illegible] [illegible] آخرت سے محروم کر دینے والی چیز [illegible] [illegible] ہو جاتا ہے کہ انسان [illegible] سے غافل ہو کر [illegible] حقیقی [illegible] گم ہو جائے۔ قرآن حکیم نے ایسے لوگوں کو [illegible] خبردار کیا ہے کہ "جو شخص دنیا کی [illegible] [illegible] یقیناً وہ لوگ جن کو ہمارے حضور [illegible] امید نہیں ہے زندگانی دنیا پر راضی ہیں اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں ان کے اعمال کی وجہ سے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔" ([illegible] تا ۸)

# جنّت و نار کا وجود

یہ سوال اکثر اٹھایا جاتا ہے کہ کیا جنت اور جہنم کی تخلیق ہو چکی ہے یا خداوند علیم و حکیم انھیں روزِ محشر خلق کرے گا۔ اس سلسلے میں ایک مکتبِ فکر کے حکماء کا نظریہ ہے کہ جنت اور دوزخ ابھی عالمِ وجود میں نہیں ہیں اور قیامت میں خدا جب اس موجودہ نظام کو ختم کرے گا تو اس کی جگہ پر ایک نیا نظام قائم کرنے کے ساتھ ہی جنت اور نار کی تخلیق بھی کرے گا۔ مگر یہ نظریہ علم و فہم کے فقدان کی دلالت کرتا ہے۔

اس سے متعلق دوسرے مکتبِ خیال کے مفکروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنت اور نار خلق ہو چکے ہیں اور وہ آج بھی عالمِ وجود میں ہیں۔ اور یہی نظریہ صاحبانِ علم و ادراک کا ہے۔ اس نظریہ کی بنیادیں آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی کے ساتھ ساتھ جدید علومِ دنیاوی کی بنیادوں پر بھی قائم ہے۔ اور ہر نقطۂ نظر سے قابلِ قبول ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ "اس جہنم سے بچو جسے کافروں کے لئے مہیا کیا جا چکا ہے۔" (۳۔۱۳۱)

"اسبابِ مغفرت اور جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔" اور جسے پرہیزگاروں کے لئے مہیا کیا گیا ہے۔" (۳۔۱۳۳)

یہ آیات اثبات کی واضح دلیلیں ہیں کہ جنت اور نار خلق ہو چکے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ احادیثِ نبوی سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جنت اور جہنم کا وجود ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں رسولؐ کے واقعاتِ معراج میں اثبات کی بار بار تکرار آئی ہے کہ آنحضرتؐ نے جنت کی سیر بھی کی اور جہنم کے خوفناک مناظر بھی دیکھے۔ اور جنت اور نار پر یقین رکھنا ایمان بالغیب کی ایک شرط بھی ہے۔



ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ جس وقت شبِ معراج میں آسمانِ اوّل پر پہنچا تو میں نے جس فرشتہ کو بھی دیکھا وہ خوش و خرم نظر آیا مگر ایک فرشتہ ایسا بھی دیکھا جس کی شکل و صورت سے غیض و غضب اور ہیبت کے آثار نمایاں تھے۔ گو کہ اس نے دوسرے فرشتوں کی طرح میری تعظیم کی لیکن مجھے دیکھ کر نہ تو وہ مسکرایا اور نہ مرحبا کہا۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ جبرئیل یہ کون فرشتہ ہے جو اس قدر مہیب اور غضبناک نظر آتا ہے۔ تو جبرئیل نے عرض کی کہ یہ فرشتہ خازنِ جہنم ہے اور یہ دشمنانِ خدا سے ہر وقت غضبناک اور رنجیدہ رہتا ہے۔ پس میں نے اس فرشتہ کو سلام کیا اور اس نے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھے جنّت کی خوشخبری دی۔ میں نے جبرئیل سے کہا کہ اے جبرئیل خازنِ جہنّم سے کہو کہ وہ مجھے آتشِ دوزخ دکھلا دے۔ پس انھوں نے پردہ ہٹا دیا اور جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا تو اس میں سے آگ کے شعلے اوپر آسمان کی طرف بلند ہوئے اور سارے آسمان پر چھا گئے اور بھڑکنے لگے۔ ہر طرف ایک وحشت سی طاری ہو گئی۔ پس میں نے جبرئیل سے کہا کہ خازن سے کہو کہ ان شعلوں کو واپس لوٹائے، اور جہنّم کا دروازے بند کر کے دوبارہ پردہ ڈال دے۔ پس خازن نے ان شعلوں کو دوبارہ واپس کر کے پردہ حائل کر دیا۔ اور اسی طرح شبِ معراج کے واقعہ میں بہشت کے نظاروں کا بھی ذکر ہے۔

شبِ معراج کے تذکرہ میں ہی قرآن حکیم نے بھی جنّت کا ذکر کیا ہے۔

"اور اس (رسولؐ) نے اس فرشتہ (جبرئیل) کو ایک بار اسکی اصلی صورت میں شبِ معراج سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے۔ اس کے پاس ہی جنّت الماویٰ ہے۔" (۵۳۔۱۳ تا ۱۵)

کچھ لوگ علمی کم مایگی اور نافہمی کی وجہ سے جنّت کی دی گئی طول و عرض سے یا تو یہ استدلال کرتے ہیں کہ جنّت اور نار کا وجود عالم باطن میں ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہیں اور انھیں روز محشر ہی دیکھا جاسکے گا جب ہماری باطن کی نگاہیں روشن ہو جائیں گی یہ نظریہ موجودہ علمی اور سائنسی دور میں نہ تو قابل قبول ہو سکتا ہے اور نہ قابل توجہ اور نہ کسی طرح کے دنیاوی یا دینی علوم سے اس نظریہ کی تائید ہی ہوتی ہے۔ میں نے مانا کہ روز محشر ہماری آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹ جائیں گے۔ ہمارے اعمال وافعال ہماری نگاہوں کے سامنے حاضر ہوں گے لیکن تخلیق جنّت و نار علمی، عملی اور تعمیری حقائق کے لئے ایسا نظریہ قائم کرنا کہاں تک قابل قبول ہو سکتا ہے کہ یہ تو اسی دنیا میں رہ کر بھی پردۂ غیب میں ہیں اور انھیں محض باطنی نگاہوں سے ہی دیکھا جاسکتا ہے۔ یاد رہے کہ وہ تخلیقات جن کے لئے علم اور سائنس جواز پیش کر سکے باطن کے پردے ڈالنا مناسب نہیں ہوگا۔

عالم برزخ کے لئے تو یہ حقیقت قابل تسلیم ہو سکتی ہے کیونکہ یہ مقامات خواہ وہ دنیاوی بہشت ہوں خواہ دنیاوی جہنم یہ محض روحوں کے لئے جائے قرار ہو سکتے ہیں کیونکہ روح غیر مادّی ہونے کی وجہ سے عام حالات میں عام انسانوں کو نظر نہیں آسکتی اسی طرح روحوں کے مسکن بھی مادّی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں جو مادّی سرگرمیوں سے بے تعلق اور الگ تھلگ وادی السلام (نجف اشرف) جیسی جگہ پر موجود ہیں اور یہ ملکوتی مقام مومنین اور صالحین کی روحوں کے لئے برزخی جنّت ہے۔ اسی طرح وادی برحوط (یمن) جیسی مغضوب اور ویران جگہ دنیاوی جہنم ہے لیکن آخرت کے دائمی اور ابدی ٹھکانوں کے لئے جہاں انسان اپنے مادی جسموں کے ساتھ دائمی زندگیاں گزارے گا وہ بھی موجود اور آراستہ ہیں



بالکل ہماری دنیا کی طرح یا اس دنیا جیسے لاکھوں اور کروڑوں سیاروں کی طرح!

کائنات میں ایسے کروڑوں سیارے ہیں جن کی معلومات ہمیں صفر سے زیادہ کی نہیں ہے۔ تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ انھیں بے شمار اور قیاس میں نہ آنے والے عظیم سیاروں میں جنّت بھی ہو، جہنم بھی ہو۔ ان کے درجات بھی ہوں۔ ان میں وسعتیں بھی ہوں۔ اور کی گئی وضاحتوں کے مطابق وسیع اور عریض بھی ہوں۔!!

اس سلسلے میں دوسرا نظریہ رکھنے والوں کا یہ خیال کہ جنّت اور نار کی ابھی تخلیق ہی نہیں ہوئی ہے اور وہ سب اس دنیا میں اس وقت خلق ہوں گے جب خدا قیامت میں ایک نیا نظام قائم کرے گا۔ ایسے نظریات رکھنے والوں کے قیاس میں شاید جو کچھ ہے وہ محض اسی دنیا تک ہی محدود ہے اور بس۔ شاید انھیں اس لامتناہی کائنات کا علم ہی نہیں ہے جس کے مقابلہ میں ہماری یہ دنیا ایک صفر سے بھی کم حیثیت رکھتی ہے۔ موجودہ علم سائنس کی تحقیق و دریافت سے نابلد لوگ شاید یہ بھی نہیں جانتے کہ ہماری یہ دنیا خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ معلوم ہو لیکن ہمارے اس سورج کا رقبہ اس کے مقابلہ میں اس قدر بڑا ہے کہ اس میں ہماری جیسی تیرہ لاکھ دنیائیں سما سکتی ہیں۔ اور اب تک کی حاصل شدہ معلومات کے مطابق ہماری ہی نظام شمسی کا سیارہ مشتری JUPITER کا رقبہ ہماری زمین سے تقریباً ایک سو پچیس گنا بڑا ہے۔ اسی طرح زحل SATURN کا رقبہ ہماری زمین سے تقریباً اٹھاسی گنا بڑا ہے۔ یورینس URANUS کا رقبہ ہماری زمین سے تقریباً سترہ گنا بڑا ہے اور۔ نیپچون NEPTUNE کا رقبہ زمین سے تقریباً تیرہ گنا بڑا ہے۔ اب تک ہم دقیق ترین نیوکلیائی دوربینوں کی مدد سے محض اپنی نظام شمسی کے چند سیاروں کے رقبہ کے معلومات ہی حاصل کر سکے ہیں اور ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ

RAJANI HUSAIN ALI AKBAR ALI



ان عظیم سیاروں میں کیا ہے اور کون سی مخلوق آباد ہے۔ اور اُسی قادرِ مطلق نے ان سیاروں میں کیا کیا راز سربستہ مخفی کر رکھے ہیں۔ جب کہ اس کا ارشاد ہے کہ میں نے کائنات میں کوئی چیز مہمل اور عبث نہیں پیدا کی ہے۔

یہ تو ہوئی اپنے ہی نظامِ شمسی کے چند سیاروں کی ادھوری معلومات۔ پھر کائنات کے ان آتشیں سمندروں کے لئے کیا کہا جا سکتا ہے جس میں ہمارا یہ عظیم نظر آنے والا سورج ڈال دیا جائے تو ایسا ہی لگے جیسے آگ کے سمندر میں ایک آتشیں گیند گر گئی ہو۔ یا پھر ان عظیم سیاروں کی وسعتوں کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جن کے سامنے ہماری دنیا ایک صفر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اور پھر ان سب کے بعد کیا ان سیاروں میں جنّت اور دوزخ کے وجود سے انکار کیا جا سکتا ہے۔!!

علومِ افلاکیات اور کائنات میں تلاش و تحقیق کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ صدیوں کی کاوشوں کے بعد بھی آج جب کہ ہمارے پاس انتہائی طاقتور دور بینیں بھی ہیں ہم نے اسی قدر معلومات حاصل کی ہیں کہ محض ہماری کہکشاں میں ہی ایک لاکھ سے بھی زیادہ سیارے ہیں جن میں سے ہم اب تک محض پانچ ہزار سیاروں کی نشاندھی کر پائے ہیں۔ جب کہ اسی کائنات میں اس طرح کی اربوں اور کھربوں کہکشائیں ہیں۔ پھر ہم جنّت اور دوزخ کے وجود سے کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ اسی کائنات میں جنّت بھی ہے۔ جہنّم بھی ہے۔ اور نہ جانے قدرت کی کیا کیا نشانیاں ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے۔

اس سلسلے میں یہ حقیقت بھی تمام شکوک و شبہات سے بالاتر ہے کہ ہمارے رسولؐ نے کائنات کی سیر کی۔ اور شبِ معراج خدا کی ان عظیم قدرت کی نشانیوں (جنّت دوزخ) وغیرہ کو دیکھا۔ اور سیر کی۔ اور یہ سب خصوصاً ان کے لئے کیا گیا کیونکہ آپ کائنات



کے رسولؐ ہیں اور یہ آپ کا فرضِ منصبی تھا کہ آپ اپنے حدودِ رسالت کو دیکھتے اور سیر کرتے۔ سورۂ بنی اسرائیل کے ابتدائی آیت ہی اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہے۔

"وہ خدا ہر عیب سے پاک (قابلِ تعریف) ہے۔ جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد الحرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بہت دور آسمانی مسجد) تک کی سیر کرائی جس کے چوگرد ہم نے ہر قسم کی برکتیں مہیا کر رکھی ہیں تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی کچھ نشانیاں دکھلائیں۔" (۱۷،۱)

# انسان نوجوان مبعوث ہوگا

روزِ محشر انسان کا اپنے نوجوانی کے بہترین کیفیات کے ساتھ دوبارہ پیدا ہونا ایک ایسی عالمانہ سچائی ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو علوم سائنس جدید علوم دین اور احادیث معصومینؑ سے واضح اور ثابت ہے۔ اس سلسلے میں جدید علوم سائنس کے دلائل اس حقیقت کے واضح ثبوت ہیں کہ انسان ایک وقت معینہ پر حالات کے سازگار اور موافق ہوجانے کے بعد دوبارہ اپنی زندگی کے تندرست ترین اور نوجوانی کے بہترین کیفیات کے ساتھ پیدا ہوگا۔ اور یہ علمی نقطۂ نظر سے ممکن ہے۔

علم کیمیات Chemistry اور علم اعضاء جسمانی Physiology کے مطابق انسانی جسم کے تمام خلیئے چند سالوں میں ایک مرتبہ ضرور بدل جاتے ہیں اور اس طرح انسان کا سارا جسم بتدریج اپنی زندگی میں کئی بار غیر محسوس طریقہ سے بدل جاتا ہے۔ مگر ہر نیا خلیہ اپنے پہلے خلیہ کا نچوڑ۔ وارث اور اس کے تمام خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ انسان کی عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے جسم کے تمام ادراکات۔ خصوصیات اور اس کی صلاحیتیں پختہ کاری اور تجربات۔ حصول علم و افکار کے لحاظ سے ہر نئے دور میں ہر نئے خلیئے کے ساتھ روبہ تکمیل و تکامل ہوتے ہیں اور اس کی خصوصیات اور پختگی پہلے خلیئے سے بہتر اور روبہ کمال ہوتی ہیں۔ اس طرح اس کا جسم انتہائی عمر تک پہنچنے کے بعد اور درازی حیات



حاصل کر لینے کے بعد جب موت سے ہم آغوش ہوتا ہے تو اس وقت وہ اپنے پہلے کے تمام خلیوں کا نچوڑ اور خلاصہ ہوتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں اس کا وہ آخری جسم پہلے تمام اجسام کا نمائندہ عظیم یا خلیفہ ہوتا ہے۔ اور پھر روزِ محشر حیات بعداز موت حاصل کرتے وقت اس میں ایسی قوت۔ ایسا جوہر اور ایسی حاصل شدہ توانائی ہوگی کہ وہ اپنے پچھلی اور دنیاوی زندگی کے بہترین اور صحت مند ترین خلیوں کے ساتھ دوبارہ پیدا ہوسکے گا۔

اسی طرح دوبارہ نوجوان۔ تندرست ترین۔ اور بہترین قوا کے ساتھ مبعوث ہونے کا جواز علم نباتات Botany: سے بھی فراہم ہوجاتا ہے۔ ایک انتہائی پرانا۔ کہن سال اور خستہ حال درخت خواہ وہ کتنا ہی کمزور، کرم خوردہ اور کہن سال کیوں نہ ہوچکا ہو مگر اس کے تخم میں وہی طاقت نمو کارفرما ہوتی ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ کہن سال درخت کے تخم زیادہ پختہ اور بہترین صفات پائیدگی رکھتے ہیں اور ان کے تخم سے ایک نوجوان۔ بے عیب۔ انتہائی تندرست، ور تر و تازہ پودا نکل آتا ہے اسی طرح انسان جس کی انتہائی مکمل۔ پختہ اور بھرپور صلاحیتیں اس کے تخم لازوال میں پنہاں رہتی ہیں روزِ محشر بیدار ہوکر اپنی بہترین دورِ زندگی کے ایام نوجوانی کی حالت میں دوبارہ پیدا ہوسکے گا۔

علم طبیعیات Physics کے قوانین کے پیش نظر بھی کائنات کی ہر طاقت داخلی اور خارجی حالات کے زیر اثر ایک دوسری طاقت میں بدلتی رہتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ علم سائنس نے یہ بات واضح کر دی ہے انسان بھی ایک عظیم طاقت کا مرکز و منبع ہے جو اپنی ساری توانائیاں تخم لازوال میں محفوظ رکھتا ہے تخم لازوال جس کی تفصیل انتہائی

مثبت ڈھنگ سے وضاحت کے ساتھ تحریر کی جاچکی ہے اور جس کا علمی جواز علم دین کی روشنی میں "قیامت کا پس منظر" کے تحت پیش کیا جا چکا ہے ایک ایسی خاموش مگر اندرونی طور سے ایک زندہ اور سرگرم عمل طاقت کا مخزن ہے۔ یہی انسانی طاقت [illegible] جوہر کا مخزن اور روز حشر ایک بار تمام موافق اور سازگار حالات کے تحت زبردست ہنگامہ خیزیوں کے ساتھ تغیر ہو کر اپنی پہلی اور بہترین شکلوں میں سے ایک میں دوبارہ پلٹ آئے گا۔ خصوصاً اس دن جب کہ روز محشر تمام طاقتیں، قوتیں اور توانائیاں اپنی پہلی حالتوں اور شکلوں میں پلٹ جانے کے لئے آزاد ہوں گی۔

جدید علوم سائنس کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اب کلام اللہ، مستند احادیث اور ارشادات معصومین کی روشنی میں اس حقیقت کا جائزہ لیا جائے جو اس حقیقت کی واضح اور مثبت طریقہ سے رہبری کرتی نظر آتی ہیں۔

قرآن حکیم نے جس طرح مُردوں کے دوبارہ زندہ ہو اٹھنے، سڑی گلی اور خاک شدہ اجسام انسانی کے دوبارہ زندہ ہو جانے کی حقیقت بیان کی ہے اسی طرح اہل بہشت کے عین نوجوانی اور نوخیزگی کے عالم کے کیف و نشاط کا بھی ذکر متعدد جگہوں پر کیا ہے۔ اور ایسے کیف انگیز نظارے پیش کئے ہیں جن سے کوئی بھی اہل ایمان انکار نہیں کر سکتا۔

"اہل جنت سرور عیش و نشاط کے مزے اڑا رہے ہوں گے۔ وہ بھی اور ان کی بیویاں بھی سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے۔" (۳۶۔۵۵ تا ۵۶)

"شراب لطیف کا ان میں دور چل رہا ہوگا جو رنگ کی سفید اور پینے والوں کے لئے سراسر لذت ہوگی۔ جس کا لطف پینے والے ہی اٹھائیں گے اور ان کے پاس عورتیں ہوں گی جو نگاہیں نیچی رکھتی ہوں گی۔ اور بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) اس طرح ہوں گی گویا حفاظت سے رکھے ہوئے انڈے" (۳۷۔۴۶ تا ۴۸)

"سونے کے بنے ہوئے جڑاؤ تختوں پر آمنے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ہمیشہ رہنے والے لڑکے ساغر اور ایسی شراب کا جام لئے ہوئے ان کے پاس آتے جاتے ہوں گے جن سے نہ تو کبھی ان کو درد سر ہوگا اور نہ ان کے ہوش و حواس گم ہوں گے۔ اور ایسے پھل لائیں گے جن کو وہ پسند کریں۔ اور پرندوں کا گوشت جس کو ان کا جی چاہے۔ اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ایسی جیسے چھپے ہوئے موتی۔ جو نیک اعمال وہ کیا کرتے تھے یہ اس کا عوض ہوگا۔" (۵۶۔۱۵ تا ۲۴)

"اہل بہشت اونچے اونچے فرشوں پر ہوں گے اور ان کو حوریں بھی ملیں گی جن کو ہم نے یقیناً بالکل نیا پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے ان کو کنواریاں، پیار کرنے والیاں اور ہم نشین خاص کر داہنے ہاتھ والوں کے لئے قرار دیا ہے۔" (۵۶۔۳۴ تا ۳۷)

مندرجہ بالا آیات قرآن سے واضح ہو جاتا ہے کہ اہل بہشت جوان ہی نہیں بلکہ انتہائی نوجوانی کے عالم میں ہوں گے اور ایسے ہی نوجوانوں کے لئے کیف و سرور، عالم مستی، پاکیزہ شرابوں کا دور اور متعدد بیویاں ہو سکتی ہیں۔ کیا کوئی سوچ بھی سکتا ہے کہ کسی ضعیف العمر کے لئے یا کسی ایسے انسان کے لئے جس نے دنیاوی زندگی کے انتہائی پیرانہ سالی کے دور میں انتقال کیا ہے اپنے اسی ضعف اور لاغری کے ساتھ دوبارہ زندہ ہونے کی حالت میں اس طرح کے کیف و سرور سے لطف اندوز ہو سکتا ہے کوئی انتہائی بوڑھا۔ لاغر اور ضعیف بندہ خدا کی ان نوازشات اور عنایات کا بھلا کیا لطف اٹھا سکتا ہے۔ دنیا میں جب کہ ایک عام نوجوان کے لئے ایک ہی بیوی کافی ہے

زیادہ ہوتی ہے۔ تو ایک کہن سال اور بوڑھے انسان کو بہشت میں بے شمار بیویوں اور حوروں سے حظ اٹھانے اور لطف حاصل کرنے کی بھلا کیا خواہش ہو سکتی ہے۔ جب تک انھیں انتہائی نوجوانی اور تندرستی کے بہترین اعضاء جسمانی کے ساتھ دوبارہ پیدا نہ کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ قرآن حکیم کے آخری آیات پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے جس میں خداوند کریم و حکیم نے فرمایا ہے کہ ان کو کنواریاں ملیں گی جو اہل بہشت کی ہمسن ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ کنواریاں اپنی جوانی کے بھرپور دور اور حالت میں ہوں گی اور اسی طرح ان کا ہمسن اہل جنت بھی بھرپور نوجوان ہی ہوگا۔ جس پر نہ تو کوئی اعتراض کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی طرح کا احتمال ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اہل جنت کا جوان ہونا رسولؐ کی اس حدیث سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جو اسلام کے سبھی فرقوں کے لئے قابل قبول ہے "حسنؑ اور حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔"

قرآن حکیم نے جس طرح دوبارہ جی اٹھنے کی عملی مثالیں حضرت عزیزؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے دور میں پیش کی ہیں جس کا ذکر اس کتاب میں آ چکا ہے (قیامت کا پس منظر) اسی طرح قرآن حکیم نے نوجوان ہو جانے کی بھی مثالیں پیش کر کے شکوک اور شبہات کو دور کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں جناب زلیخہ کی جوانی کے دوبارہ لوٹ آنے کا واقعہ قابل ذکر ہے۔

تفسیر قمی میں حضرت علی نقیؑ سے منقول ہے کہ "جب سابق عزیز مصر (قطفیر) قحط کے زمانہ میں مر گیا تو اس کی زوجہ مفلس ہو گئی یہاں تک کہ بھیک مانگنے لگی۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تو حضرت یوسف کے سامنے کیوں نہیں جاتی۔ وہ بولی کہ حیا مانع ہے۔ جب لوگوں کا اصرار زیادہ ہوا تو وہ ایک دن بر سر راہ کھڑی ہو گئی اور جب حضرت یوسفؑ



کی سواری اُدھر سے گزری تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا "پاک و پاکیزہ ہے وہ خدا جس نے بادشاہوں کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے غلام بنا دیا اور غلاموں کو فرمابرداری کی وجہ سے بادشاہ۔" جب حضرت یوسفؑ نے سُنا تو پوچھا کہ "تو ہی زلیخہ ہے۔" وہ بولی کہ "ہاں۔" آپ نے پوچھا کہ "تیری کوئی حاجت ہے" تو وہ بولی کہ "اب جب میں بوڑھی ہو گئی ہوں تو مجھ سے میری حاجت پوچھتے ہو۔" یہ سُن کر حضرت یوسفؑ اسے اپنے محل میں لے آئے اور پوچھا کہ تو نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا تو وہ بولی کہ "ہاں۔ مگر اب مجھے ملامت نہ کرو۔" آپ نے جب وجہ پوچھی تو وہ بولی کہ "ایک تو تم سا حسین جوان خدا نے پیدا ہی نہیں کیا۔ دوسرے مصر میں مجھ سا خوبصورت کوئی نہ تھا۔ تیسرے میرا شوہر نامرد تھا۔" آپ نے پوچھا "اب کیا ارادہ ہے۔" تو وہ بولی "خدا سے دعا کرو کہ وہ مجھے پھر سے جوان کر دے۔" غرض وہ جوان ہوئی اور آپ نے اس سے نکاح کیا تو وہ باکرہ تھی اور اس سے حضرت یوسفؑ کو تین اولادیں بھی ہوئیں ایک "میشا" دوسرے "فرائم" جو حضرت یوشعؑ وصی موسیٰ کے داماد تھے اور تیسری بیٹی "رحیمہ" جو حضرت ایوب کی زوجہ تھیں۔"

(ضمیمہ جات مقبول نوٹ نمبر ۲ متعلق ص ۲۹۳)

اسی طرح دوبارہ جوان ہو جانے کا واقعہ "حبابہ والبیہ" نام کی اُس عورت کا بھی ہے جو حضرت علیؑ کے وقت سے لے کر حضرت امام رضاؑ کے دور تک زندہ رہی۔ یہ عورت آئمہ معصومین کی امامت کے اثبات میں پتھر کے ٹکڑوں پر ان کی مہریں ثبت کرواتی تھی۔ اصول کافی میں ہے کہ یہ عورت ایک دن امام زین العابدینؑ کی خدمت میں آئی اس کے پاس وہ کنکری بھی تھی جس پر حضرت علیؑ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام

حسینؑ کی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ اس کے آتے ہی امامؑ نے بلا اس کے کہے ہوئے فرمایا کہ وہ کنکری لا جس پر میرے اجداد کی امامت کی مہریں لگی ہوئی ہیں میں اس پر مہر لگا دوں۔ چنانچہ اس نے وہ پتھر پیش کیا جس پر اپنی مہر امامت لگا کر امامؑ نے واپس کر دی۔ اور اس کی جوانی بھی پلٹا دی۔ جب کہ اس وقت اس کی عمر ایک سو تیرہ (۱۱۳) برس کی ہو چکی تھی۔ "حبابہ والبیہ" کی جوانی آئمہ معصومین کی دعاؤں سے چار بار لوٹ آئی اور اس طرح اس نے آٹھ اماموں کا زمانہ دیکھا اور ان کی مہریں لگوائیں۔"

(اصول کافی۔ دمعہ ساکبہ جلد ۲۔ ص ۴۳۶)

تفسیر برہان میں ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ "اہل جنت۔ نوجوان بغیر داڑھی مونچھ کے امرد ہوں گے۔ عیش و عشرت میں مشغول گرامی قدر ہوں گے۔ ایک ایک کو سو سو آدمیوں کے برابر کھانے اور پینے کی طاقت اور شہوت اور جماع کی قوت دی جائے گی۔"

(ضمیمہ مقبول۔ نوٹ نمبر ۵ متعلق ص ۸۵۴)



# بد اعمالیوں کی تلافی

انسان کا یہ پیکر خاکی تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔ جسد خاکی نفس اور روح۔ انسان کا صرف جسم ہی بیمار نہیں ہوتا بلکہ اس کا نفس اور اس کی روح بھی بیماری کا شکار ہو سکتی ہے۔ جسمانی بیماریوں کا علاج تو ڈاکٹر اور طبیب جراحی۔ آپریشن اور دواؤں سے کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا نفسانی اور روحانی علاج بھی ممکن ہے اور خدا نے ان کا علاج بھی بندوں کے لئے فراہم کر رکھا ہے۔ اور اس کا بہترین کامیاب ترین علاج دین اسلام نے ہی بتلا دیا ہے۔ روحانی اور نفسانی علاج دین اسلام سے بڑھ کر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں مل سکتا۔

دنیا کے بہت سے مذاہب نے اگر روحانیات پر توجہ دی ہے تو انھوں نے جسمانی ضروریات اور جسمانی صحت کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ ایسے مذاہب میں محض روحانی فروغ کر لینا، ہی کمال زندگی اور معراج انسانیت سمجھ لیا گیا ہے۔ ایسے مذاہب کے قائدین اور رہبر روحانی کمالات اور روحانی حصول کے لئے خود کو ہر طرح کی تکالیف میں ڈالنے اور جسم کو فنا کر دینے کو ہی مقصد زندگی سمجھتے ہیں۔ ان کے مذہبی رہبروں اور بنیادی عقائد میں جسم کی پرورش و پرداخت اور جسمانی صحت پر توجہ دینا نہ تو کوئی مقصد ہے اور نہ مقام۔ ان کے نظریہ کے مطابق جب جسم خود ہی مائل بہ [illegible] ہے تو پھر اس پر توجہ دینے۔ اس کی حفاظت کرنے اور اس کے علاج کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے تو جس قدر جلد ہو سکے روحانی حصول کے لئے فنا کر دینا ہی مناسب

اور بہتر ہے۔ ایسے مذاہب میں یہودیت اور نصرانیت کا نام سرِفہرست آتا ہے۔

اسی طرح ایک دوسرا مکتب فکر اپنی ساری توجہ محض جسمانی پرورش اور پرداخت پر دیتا ہے اور اس کی ساری توجہ کمانے کھانے اور جسم کو ہر طرح سے تندرست رکھنے پر ہی مرکوز ہے۔ انھوں نے روحانی اور نفسانی ضروریات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ ان کے مطابق جو کچھ بھی ہے وہ بس اسی دنیا میں ہے اور ان کا نظریہ زندگی برائے زندگی ہے۔ اور اس طرح ان کی تنظیم میں نفسانی اور روحانی امراض اور ان کا علاج جیسا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔

دوسری طرف اسلام نے انسان کے جسمانی، نفسانی اور روحانی تینوں مسائل کے پرخاطر خواہ توجہ دی ہے اور ان کے علاج کا انتہائی معقول اور کامیاب ڈھنگ سے اہتمام کیا ہے۔ اسی لئے تو یہ خدا کا پسندیدہ دین ہے "دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے"۔ یہی خدا کا پسندیدہ دین ہے کیوں کہ یہی تو دین فطرت ہے۔ یہی تو دین وحدت ہے اور یہی تو دین خدا ہے۔

جسمانی امراض سے بچنے کے لئے اسلام نے بہترین اصول وضع کئے ہیں۔ جسمانی امراض غذاؤں کے بے اعتدالی، پرخوری اور زیادہ طاقتور غذاؤں کے کھانے سے ہی ہوتے ہیں اور بیماریاں غذاؤں کے عدم توازن اور صحت کی طرف سے بے توجہی سے ہی ہوتی ہیں اور اسلام نے غذائی توازن قائم رکھنے کے بہترین اصول وضع کئے ہیں اور ماحول کو صاف رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ "معاشرہ کی پراگندہ مت کرو"۔

اسلام نے انسان کے نفسانی عروج کو اولیت دی ہے۔ نفس کے ارتقاء اور



بلندی کا تعلق علم اور ادراک سے براہ راست ہوتا ہے۔ اسلام نے دولت جمع کر لینے والے اور مالدار انسان کو اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں دی جب تک وہ علم و ادراک کی دنیا میں بھی اتنا ہی باکمال نہ ہو۔ اسلام نے جاہل کو ایک جسدِ مُردہ سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ قرآن حکیم نے جگہ جگہ علم حاصل کرنے کی نصیحت کی ہے یہاں تک کہ خدا کا پہلا پیغام بھی "اقرأ" سے شروع ہوتا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام پڑھنے کا مذہب ہے۔ انسان جس قدر علم حاصل کرے گا اسی قدر وہ جہالتوں مہملات سے دور ہوتا جائے گا۔ اور جس قدر جہالت کی تاریکیاں دور ہوتی جائیں گی اسی قدر اس پر دین حق کی راہیں روشن ہوتی جائیں گی اور اسی طرح وہ حقیقی علم و ادراک سے مالامال ہوتا جائے گا اور پھر اسی کے ساتھ اس کا نفس بھی بلند اور پاکیزہ ہوتا جائے گا۔ اسلام میں اگر انسان جسمانی لحاظ سے لاغر ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر وہ علم و ادراک کے نقطۂ نگاہ سے جاہل اور کم مایہ ہے تو یہ اس کا بدترین عیب ہے۔

انسان کی روحانی بلندی بھی اس کے علم و ادراک سے ہی وابستہ ہے۔ ایک صاحب علم اور حقائق شناس غور کرے گا کہ اس عالم لامتناہی کے پیچھے ایک زبردست بنانے والے کا ہاتھ ہے۔ اور اس طرح اس کے نفسانی تفکرات کا تعلق براہ راست اس کی روح سے ہوگا۔ ایسے صاحبان علم و عقل جب زمین و آسمان اور اس لامتناہی کائنات پر غور کرتے ہیں تو اس کے بنانے والے اور قادر مطلق کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں کہ اے میرے خدا تونے اس کائنات کو بے کار اور عبث نہیں پیدا کیا۔ اور پھر وہ سرنگوں ہو کر اپنی بخشش کی دعائیں کرتے ہیں۔

اسلام میں کمال بشریت علم ہے۔ اسلام میں معراج انسانیت علم ہے۔ جہل نہیں ہے۔ اور یہی علم اس کی نفسانی اور روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔!!

اتنا ہی نہیں بلکہ خداوند رحیم وکریم نے انسان کو نفسانی اور روحانی امراض سے نجات حاصل کرنے کے لئے توبہ کا دروازہ بھی کھول رکھا ہے۔ انسان اپنے کئے ہوئے گناہوں کے نتیجے میں بھیانک ترین روحانی اذیتوں میں مبتلا رہتا ہے مگر صدق دل سے توبہ کر لینے کے بعد وہ اس اذیت سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے۔ اور پھر اس کے بعد وہ اپنی زندگی کو تقوے اور پرہیزگاری کے سہارے پر کامیاب اور کامران بھی بنا سکتا ہے۔

انبیاء معصومین اور آئمہ طاہرین نے گنہگار اور پرُ معصیت زندگیاں گزارنے والوں کو توبہ و استغفار کی ہدایت دی ہے تاکہ ایک گنہگار انسان اپنے کئے ہوئے گناہوں کی لعنت سے چھٹکارہ حاصل کر لینے کے بعد ایک پاک اور پرہیزگار انسان بن سکے۔ وہ اپنے گناہوں کی ذلالت میں الودہ ہوکر بھی ناامید نہ ہو۔ خدا تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندوں کے دلوں میں ندامت اور پشیمانی کی ایسی شمع فروزاں ہو جس کی روشنی میں وہ اپنے کئے ہوئے گناہوں کی تاریکیوں میں جھانک سکے جس پر نادم ہوکر خدا سے ان گناہوں کی صدق دل سے معافی کا طلبگار ہو اور ایسے بندوں کی توبہ خدا ضرور قبول کر لیتا ہے۔ اور گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ خدا تو اپنے گنہگار بندوں کی توبہ اور استغفار سے ایسا خوش ہو جاتا ہے جیسے ایک ریگزار کے مسافر کو رات کی تاریکی میں اس کا کھویا ہوا اونٹ مل جائے۔

خدا کا عذاب تو ایسوں پر ہی نازل ہوتا ہے جو بجائے اپنے کئے ہوئے گناہوں



پر نادم ہونے کے بلا احساس گناہ کے لگاتار گناہ کئے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ اسی حالت میں ان کی موت آجاتی ہے اور انھیں کبھی پشیمانی نہیں ہوتی ایک مخلص انسان کی اپنے کئے ہوئے گناہوں سے ندامت اور پشیمانی ہی ان کی توبہ ہے۔

مومن اور مخلص بندہ وہی ہے جس کے اندر خوف خدا بھی ہو اور اس سے اپنے بخشش کی امید بھی ہو۔ اور یہی احساسات خوف ورجاء مومن کی زندگی کو کامیاب اور کامران بناتے ہیں۔ جذبات خوف رجاء کے زیر اثر نہ تو وہ دنیاوی تکالیف اور اذیتوں سے گھبراتا ہے اور نہ لگاتار مصیبتوں سے بیزار ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خدا سے کبھی اپنی ان تکالیف کا شکوہ نہیں کرتا۔ حالات خوف میں بھی وہ خدا کے پسندیدہ اعمال بجالانے سے غافل نہیں ہوتا۔ اسے ہر وقت اور ہر حال میں محاسبہ کی فکر رہتی ہے۔ وہ گناہوں اور مظالم کی طرف قدم بڑھانے سے تو کیا اس کے تصور سے ہی کانپ اٹھتا ہے۔

احساس خوف ورجاء کے درمیان اپنا توازن قائم رکھنے والا بندہ ہی دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران ہوتا ہے۔ ہر وقت خوف خدا اور قہر الٰہی لئے تاثرات میں مغلوب اور مجہول انسان نہ تو اپنا مستقبل ہی سنوار سکتا ہے اور نہ اپنی عاقبت ہی تابناک بنا سکتا ہے۔ اسے تو بس خوف خدا اور اپنا تاریک انجام ہی اس قدر متوحش رکھے گا کہ نہ تو وہ توبہ و استغفار کے بارے میں کچھ سوچ سکے گا اور نہ رحمت خداوندی سے فائدہ ہی حاصل کر سکے گا اور انجام کار وہ نامرادیوں اور حرماں نصیبیوں کے ایسے عمیق غار میں جا گرے گا جہاں سے اسے ابھر پانا ناممکن ہو جائے گا۔ اور اس طرح اس کی روح مردہ مغموم اور حرماں نصیب ہو جائے گی اور اس کا نخل ایمانی

خشک ہو جائے گا۔

جذبات امید و بیم یہودیت اور نصرانیت میں حدود اعتدال سے بہت دور ہیں یہودیوں کے نظریہ کے مطابق خدا قہر و غضب کا مجسمہ ہے جب کہ عیسائیوں کے یہاں خدا کو محض لطف و کرم کا مجسمہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں ایک فرقہ مایوسیوں کا شکار ہوا اور دوسرا خواب غفلت میں پڑ کر مطمئن ہو گیا۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے ان دونوں نظریات کے درمیان ایک متوازن سطح قائم کی ہے جس میں رحمت کے ساتھ عدالت اور عدالت کے ساتھ رحم و کرم کو متوازن رکھا ہے تاکہ بندہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو جائے۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ "مومن کے دل میں دو نور ہوتے ہیں ایک نور خوف اور دوسرا نور رجا اور اس طرح اگر دونوں احساسات کا وزن کیا جائے تو یہ دونوں ہم وزن اتریں گے۔

خدا نے اپنے بندوں کو دعا کا حکم دیا ہے اور اپنی بہت سی عنایتوں اور نوازشوں کو دعاؤں سے وابستہ کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ۔

"(اے میرے رسول) جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے پوچھیں تو کہدو کہ میں ان کے پاس ہی تو ہوں اور جب کوئی مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہوں اور دعا قبول کرتا ہوں۔" (۲۔۱۸۶)

"وہ کون ہے۔ جب مضطرب و لاچار اسے پکارے تو وہ سنتا ہے اور دعا قبول کرتا ہے ہر دکھ درد دور کرتا ہے۔" (۲۷۔۶۲)

"تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا (مناسب ہو تو) قبول کروں گا۔" (۴۰۔۶۰)

RAJANI HUSAIN ALI AKBAR ALI



اسی طرح پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ "دعا مومن کا ہتھیار اور دین کا ستون ہے"

امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے کہ "دعا مومن کی سپر ہے۔ جب تم بار بار دروازہ کو کھٹکھٹاؤ گے تو وہ تمہارے لئے کھول دیا جائے گا۔"

امام زین العابدینؑ کا ارشاد ہے کہ "دعا بلا و مصیبت کو ٹال دیتی ہے۔"

امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ "بہترین عبادت دعا ہے۔"

دعا نفسیاتی پہلو سے بھی مفید ہے۔ اس سے پہلا فائدہ تو یہی ہوتا ہے کہ انسان جس قدر اپنے نفسیات پر قابو رکھ سکتا ہے اسی قدر اس کے قوت ارادی میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ عملی زندگی میں وہی ہستیاں کامیاب و بامراد ہوتی ہیں جو اپنے نفس پر مکمل قابو رکھتی ہیں ورنہ کمزور نفس کے انسان تو اپنے متفرق تفکرات کے تانے بانے میں ہی الجھ کر رہ جاتے ہیں اور مقصد حیات کو حاصل کئے بغیر ہی انتہائی حرماں نصیبی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اپنے قوت ارادی کو مستحکم کرنے کے لئے انسان کو یقین محکم اور عمل پیہم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہی محرکات انسانی زندگی کو کامیاب بناتے ہیں لیکن ہر شخص میں نہ تو یہ صلاحیت ہوتی ہے۔ نہ عزم مستحکم۔ نہ یقین کامل اور نہ پر یقین حوصلہ اور ایسے انسان کو ایک ایسے ہتھیار کی ضرورت ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ خود کو مضبوط ارادوں اور پر یقین نتائج کا حامی اور حامل بنا سکے اور وہ ہتھیار ہے اس بندہ کی اپنے خالق سے کامیابی اور کامرانی کے لئے دعا۔ اور اسی دعا کے سہارہ پر وہ اپنا رابطہ ایک ایسے قادر مطلق سے قائم کر لیتا ہے جو اس کی ہر حاجت پوری کر دینے کی قدرت رکھتا ہے اور اس کی ہر مشکل کے حل کرنے پر

قادر ہے۔ اپنی مشکل اور دشوار ترین حاجتوں کو اُس ہستی سے وابستہ کر دینے کے بعد اس پر خدا کی قدرت کا عقیدہ اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے سے شکوک اور شبہات کے دھندھلکے چھٹ جاتے ہیں اور یقین کی شعائیں چمکنے لگتی ہیں اور اس طرح اس کے منتشر خیالات کہیں اور بھٹکنے کے بجائے اپنے معبود حقیقی کے آستانے پر مرکوز ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ایسی قوتوں کا حامل ہو جاتا ہے جو اسے کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرفراز کر دیتی ہیں۔

دعاؤں کا دوسرا نفسیاتی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جب انسان کی امیدوں اور تمناؤں کے سارے وسیلے ختم ہو جاتے ہیں اور اس کے صبر کی بساط الٹ چکی ہوتی ہے۔ اُس کا سکون و قرار غارت ہو چکا ہوتا ہے اور اس کی کامیابیوں کے سارے ذریعہ منقطع ہو چکے ہوتے ہیں اس وقت وہ انتہائی کرب و اضطراب کی حالت میں اپنے معبود حقیقی کو پکار اٹھتا ہے اور دُعاؤں کے لئے اپنے ہاتھوں کو بلند کرتا ہے جو اس کی تسکین کا باعث ہوتا ہے۔ اس پر چھائے ہوئے ناامیدیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور اس میں ایک بار پھر سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنے منتشر شدہ قوتوں اور وسائل کو مجتمع کرنے اور حوادث روزگار سے کامیابی کے ساتھ ٹکرانے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح وہ دُعاؤں کے سہارے پر خود کو ناکامیوں کے عمیق اور تاریک غاروں میں ہمیشہ کے لئے دفن ہونے سے بچا لے جاتا ہے۔

دعاؤں کا تیسرا نفسیاتی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے عبد معبود کا رشتہ استوار اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ جب انسان کے سارے مادّی اور ظاہری سہارے ختم ہو جاتے ہیں اور اُسے ہر طرف تاریکیاں ہی تاریکیاں نظر آنے لگتی ہیں تو وہ انتہائی



یاس و اُمید کے ساتھ اپنے خالق مطلق کے سامنے سر نیاز خم کر دیتا ہے اور پھر ایک پُر یقین جذبہ کامیابی کے ساتھ اس کے پُر یقین ارادے۔ اس کے خفتہ احساسات اور خوابیدہ جذبات۔ بیدار ہو اٹھتے ہیں جو اُسے کامیابی کے ساتھ تقرب الٰہی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچا دیتے ہیں۔ دعاؤں کا چوتھا نفسیاتی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ میں خدا کی قدرت اور طاقت پر بھروسہ کرنے کا یقینی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے سامنے اُسے خود اپنی قوت سبک اور غیر یقینی لگنے لگتی ہے۔ اور اس طرح اپنی ہر مصیبت سے نجات ملنے کے نتیجے میں اس کا عقیدہ اپنے مالک حقیقی پر بڑھتا ہی رہتا ہے اور اس طرح اس کے معبود برحق پر اس کا بھروسہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد ہر مصیبت کے وقت اور ہر دشوار گھڑی میں وہ خود کو کسی مصیبت کا سامنا کرنے میں کمزور اور لاغر نہیں محسوس کرتا۔ اس پر اللہ کی بالادستی اور اپنی کم مائیگی کا پختہ یقین سایہ کر لیتا ہے۔

دُعاؤں کا پانچواں نفسیاتی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان میں تکبّر اور غرور کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی سرکشی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ خدا کے سامنے گڑگڑانا اس کے حضور میں دست سوال بلند کرنا۔ اپنی بیچارگی کا اظہار کرنا اس کے جبروتی احساسات کی اصلاح کر دیتا ہے اور پھر اس کی زندگی ایک متقی۔ پاکباز اور پرخلوص انسان کے قالب میں ڈھل جاتی ہے۔

خداوند کریم نے اپنے گنہگار بندوں کے لئے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا ہے۔ بلکہ اُسے امیدیں دلائی ہیں کہ تم توبہ کرو۔ میں تمہارے گناہوں کو معاف کروں گا۔ خداوند کریم کی طرف سے دعاؤں کا حکم دیا جانا اور گناہوں سے توبہ کرنے کی نصیحت کا کیا

ان کی رہبری کے سایہ میں دین حق اور دین وحدت پر قائم ہو سکے۔

درازئ عمر صرف امام عصرؑ کے لئے ہی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بہت سے عام اور بااصول لوگوں کی عمریں بھی طویل ہوئی ہیں۔ لقمان حکیم کی عمر ۳۵۰۰ سال، عوج بن عنق کی عمر ۳۳۰۰ سال اور ذوالقرنین کی عمر ۳۰۰۰ سال کی تھی۔ اسی طرح حضرت نوحؑ کی عمر ۲۵۰۰ سال حضرت آدم کی عمر ۱۰۰۰ سال آخر یہ بھی تو انسان ہی تھے اور ان کی طولانی عمروں کے پیش نظر حضرت امام مہدیؑ کی عمر جو ۱۴۱۶ھ میں محض ۱۱۶۱ سال کی ہوتی ہے ہر طرح سے قابل قبول ہے۔

علم کیمیا CHEMISTRY کے عظیم محققوں اور دانشوروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسانی جسم کے تمام خلیوں CELLS میں ہمیشہ زندہ رہنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے بشرطیکہ وہ کسی بیرونی حادثہ یا جرثوموں کے حملوں کا شکار نہ ہو جائے جو اس کے لئے جان لیوا ثابت ہو سکے۔

"پروفیسر ڈائمنڈ برل" نے مسلسل تحقیق و تلاش کے بعد اس حقیقت کو معلوم کیا ہے کہ انسان کے اجزاء جسمانی میں ہمیشہ زندہ رہنے کی استعداد پائی جاتی ہے بشرطیکہ کوئی بیرونی حادثہ اس کی زندگی کو ختم نہ کر دے یا جرثوں کا حملہ اسے معطل نہ کر دے۔

"ڈاکٹر الیکس کارل" نے مسلسل تجربات کے بعد اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ انسان کے جن اعضاء پر تجربات کئے گئے ان میں بڑھاپے کے آثار نظر ہی نہیں آئے۔ اس نے تو یہاں تک ثابت کر دیا کہ جن جانداروں کے یہ اعضاء لئے گئے تجربات کے بعد ان اعضاء کی زندگیاں خود ان جانوروں سے بھی زیادہ پائی گئیں۔ اس سلسلے میں اُس نے ۱۹۱۲ء کے بعد مزید تجربات کئے جن سے مندرجہ ذیل بڑے اہم انکشافات ہوئے۔



(۱) اگر غذائی مواد میں کمی نہ ہو اور اگر جراثیم پیدا نہ ہوں تو یہ خلیے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں
(۲) جسمانی اجزاء زندہ رہنے کے ساتھ ساتھ بالیدگی کی قوت بھی رکھتے ہیں اور زیادہ تندرست ہوتے رہتے ہیں۔
(۳) ان کی یہ بالیدگی اور نمو ان کو حاصل ہو رہی غذاؤں کی مناسبت سے ہی ہوتی ہے۔
(۴) ان اجزاء پر کہن سالی، پیری اور طویل عمری کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ نہ تو یہ کمزور ہوتے ہیں اور نہ ضعیف ہوتے ہیں۔ بلکہ سال بہ سال اور بھی تندرست ہوتے ہیں۔ ان سارے حقائق کے پیش نظر اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ پھر انسان کو موت کیوں آتی ہے۔ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ انسان کے جسم میں بے شمار اعضاء اور اجزاء ہیں جو مختلف اور متزاد ہوتے ہوئے بھی یہ ایک دوسرے سے اس قدر مربوط ہیں کہ ایک کی کمزوری کا دوسرے پر اثر انداز ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ ان کی ایک دوسرے سے وابستگی فطری ہے۔ انسان کی موت کی دوسری بڑی وجہ ایسے حادثات بھی ہیں جو کسی ایک یا کئی اجزاء کو بیکار کر دیتے ہیں اور جن کی وجہ سے سارا جسمانی نظام معطل ہو کر رہ جاتا ہے اور موت آجاتی ہے۔ کچھ بیماریاں بھی اس کی ذمہ دار ہیں کہ جراثیم جسم کے بعض اجزاء پر حملہ آور ہو کر اسے ختم کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں اس سے متعلق دوسرے اجزاء بھی مر جاتے ہیں اور انسان کو موت آجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ انسان کی متوسط عمر ۷۰ یا ۸۰ سال ہی ہو پاتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کو واضح کر دینا بھی ضروری ہے ہے کہ انسان کو موت محض اس وجہ سے نہیں آتی کہ وہ ۷۰ یا ۸۰ سال کا ہو چکا ہے بلکہ موت کا اصلی سبب مرض پیدا کرنے والے وہ جرثومے ہیں جو اس کے اجزاء پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح ان اجزاء کی کارکردگی بند ہو جاتی ہے۔ اس طرح محض ایک یا

چند اجزاء کے بیکار ہو جانے سے اس سے مربوط اور متعلق اجزاء بھی متاثر ہو کر اپنا کام کرنے سے معذور ہو جاتے ہیں اور آدمی موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

اگر میڈیکل سائنس اور کیمسٹری کو اتنا کمال حاصل ہو سکے کہ وہ ان تمام امراض اور دشمن جراثیموں کو ختم کر سکے تو انسان طولانی عمر حاصل کر سکتا ہے۔ علم حیاتیات بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اگر غذاؤں میں اور دواؤں ضروری احتیاط برتی جائے تو انسان طولانی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد کہ طول عمر محال نہیں ہے تو کیا قادر مطلق کے لئے یہ بات ممکن نہیں ہے کہ کسی کو مدت دراز تک زندہ رکھ سکے جب کہ طولانی عمر حاصل کرنے کے رموز، شرائط اور طریقے اور ان کی فراہمی اس کے لئے آسان ہے۔ وہ ایک ایسا نظام بنانے پر قادر ہے جو طول عمر کے عین موافق اور مطابق ہو۔ ان سب حقائق کے پیش نظر امام مہدیؑ کے طول عمر پر کسی طرح کے احتمال یا شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے

انسان کی زندگی کا تعین اللہ کے پاس ہے۔ اگر وہ کسی کی زندگی کم کرنا چاہے تو محض ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم کر سکتا ہے اسی طرح اگر وہ کسی کی زندگی بڑھانا چاہے تو اُسے لاکھوں برس بھی زندہ رکھ سکتا ہے۔ اور اصحاب کہف اس حقیقت کے زندہ مثال ہیں یہ ایک عالمی حقیقت ہے اور محض عقیدہ کے زیر اثر نہیں ہے۔ غور فرمائیں کہ جب مادی، غذائی، طبی اور کیمیاوی وسائل سے اجزاء انسانی دوام حاصل کر سکتے ہیں اور یہاں تک کہ ان میں رشد و نمو بھی ممکن پائی گئی ہے تو کسی کو دراز عمر عطا کرنے کے مقصد کے لئے خدا ایسے سارے کیمیاوی، مادی، طبی اور غذائی وسائل وافر مقدار میں فراہم کر سکتا ہے جو اس کی طول عمری کا ضامن ہو سکے اور یہ بات نہ تو خلاف عقل ہوگی اور



نہ خلاف فطرت ساتھ ہی ساتھ خدا ایسے عوامل بھی فراہم کر سکتا ہے، جو طول عمری کے باعث ہو سکیں۔ خزانۂ قدرت میں نہ تو کسی چیز کی کمی ہے اور نہ عوامل کا فقدان۔ اور پھر جب امام عصرؑ کی طویل عمری مرضی الٰہی سے ہی ہے تو پھر اس میں کسی شبہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

حضرت امام عصرؑ کی طول عمر کے سلسلے میں جو بھی نزاع یا تکرار ہے اس کی اہمیت ایک ریت کی دیوار سے زیادہ نہیں ہے۔ جو یا تو علم کے فقدان۔ یا حقیقت سے انکار اور بے توجہی اور بے اعتنائی کی وجہ سے اور یا تو پھر اس کی سب سے بڑی وجہ آل رسولؐ سے بغض، حسد اور دشمنی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی کو ملائکہ کی حیات طولانی حضرت خضرؑ کی طویل زندگی، حضرت الیاسؑ کی طول عمر یا ابلیس کی درازئ حیات پر شبہ کیوں نہیں ہوتا۔ ان کی زندگیوں پر کسی کو اعتراض کیوں نہیں ہوتا۔ اور جب شبہ یا اعتراض پیش کیا جاتا ہے تو امام عصرؑ کی طول عمر پر ہی کیا جاتا ہے۔ حضرت ادریس، حضرت الیاس، حضرت عیسیٰ ہزاروں سال سے زندہ ہیں۔ انھیں خدا رزق بھی فراہم کر رہا ہے۔ حضرت نوح اور جناب لقمان کا تذکرہ ابتدا میں ہی آچکا ہے۔ ان سب پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا اور اعتراض کیا جاتا ہے تو صرف امام عصر کی زندگی پر اور اس اعتراض کے پس پشت ایک ایسا پُر معامی اور منافقانہ جذبہ کار فرما ہے جس سے آل محمدؐ سے دشمنی کے ساتھ قدرت خدا پر عدم اعتقاد کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ اس میں یہ بات بھی یقین کے ساتھ ہی کہی جا سکتی ہے کہ حضرت خضر حضرت الیاس ان دو پیغمبروں کا دَور گذر چکا ہے مگر انھیں زندہ رکھنے کا شاید خدا کا مقصد یہی ہوگا کہ لوگ امام عصر کی طول عمری پر تعجب نہ کریں اور بندگان خدا پر حجت خداوندی

قائم رہے اور زمین نائب رسول نمائندۂ خدا اور امام زمانہ سے خالی نہ رہے۔

"اور کوئی اہل کتاب ایسا نہ ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے۔"
(۴-۱۵۹)

اس سلسلے میں رسول اسلام کی ایک مقبول عام حدیث بھی ہے کہ:
"جو اپنے وقت کے امام (امام زمانہ) کو پہچانے بغیر مرا وہ ہلاکت کی موت مرا۔ وہ کافر مرا۔"

آپ یہ بھی غور فرمائیں کہ انبیا اور صالحین کے لئے ہمیشہ معجزے ہوتے آئے۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ کا سرد ہو جانا۔ حضرت موسیٰ کے لئے عصا کا اژدہا بن جانا۔ حضرت عیسیٰؑ کے لئے مردہ کا زندہ ہو جانا۔ حضرت محمدؐ کے لئے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا۔ حضرت علیؑ کے لئے آفتاب کا دوبارہ طلوع ہو جانا یہ سب خلاف عقل ہی تو ہیں اور یہ اس بات کے مظہر بھی ہیں کہ خدا کی قدرت موجودہ نظام کائنات پر ہر طرح سے فوقیت رکھتی ہے اور قدرت خداوندی کے پیش نظر امام عصر والزمانؑ کی حیات طولانی پر کسی طرح کی تنقید مناسب نہیں ہے۔



# کتابیات


۱) قرآن مجید۔ مُترجم و مفسّر: مولانا سیّد مقبول احمد دہلوی
۲) کلام اللہ۔ مُترجم: مولانا سیّد فرمان علی صاحب قبلہ
۳) نہج البلاغہ۔ حکیم ربانی خطیب لاثانی مولانا امیر المومنین حضرت علیؑ (مترجم: سید انصار حسین ہاشمی)
۴) صحیفۂ کاملہ۔ امام رابع مولانا السجادؑ زین العابدینؑ (مترجم: مولانا مفتی جعفر حسین)
۵) اسلام کے بنیادی عقائد۔ (جلد سوم) حجت السلام سید مجتبیٰ موسوی لاری (مترجم: مولانا روشن علی)
۶) اسلام (دین۔ عقیدہ و عمل) علّامہ سیّد ذیشان حیدر جوادی)
۷) چودہ ستارے۔ مولانا سیّد نجم الحسن (کراروی)
۸) زندگی۔ موت۔ زندگی: مُشتاق نقوی
۹) حقائق القرآن۔ سیّد امتیاز حیدر آختر (پرتاب گڑھی)
۱۰) اصلاح۔ لکھنؤ

Human-Physiology. Vol II. Dr. C.C. Chatterje B.Sc., M.D

Human-Physiology (Rewised) Dr. G. Deb M.Sc., D.Phil &
B.N. Koley M.Sc., D.Phil

Churchill-Livingstone Pocket Medical Dictionary
Nancy Roper

The World Book of Encyclopedia Vol 15, 16, 17, 18 & 2[illegible]

ناشر

## عبّاس بُک ایجنسی

رستم نگر، درگاہ حضرت عبّاس لکھنؤ ۳

فون: 260756